ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلہ

دارالسلام

DARUSSALAM

دارالسلام کی تمام مطبوعات کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

شمارہ: 06 | جلد: 23 | جون 2014ء / شعبان 1435ھ



موسم گرما

احکام و مسائل

معافی کافی نہیں

صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں قانون سازی کا وقت آ گیا!!

حصولِ برکت کے اسباب

قرآن و سنت کی روشنی میں

آپ کا کاروبار غیر اسلامی تو نہیں؟

ایک فکر انگیز تحریر

آم

قدرت کا انعام

سب سے زیادہ روایات بیان کرنے والے جلیل القدر صحابی

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے گاؤں میں

چیف ایڈیٹر کے دل موہ لینے والے قلم سے

اپنے اوقات کو منظم کیجیے

ماہنامہ

ضیائے حدیث

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

لاہور

شمارہ: 06 | جلد: 23 | جون 2014ء/شعبان 1435ھ

چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ • بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

وُسعتِ دامان

تجلیات قرآن
بنی اسرائیل کو ملنے والی سزائیں اور امت مسلمہ
محمد نعمان فاروقی
10



عالمی منظر نامہ
ہمسایہ ممالک کی پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیاں
ابوولید ملک
20



تعلیم و تعلم
دینی مدارس اور امت کی ذمہ داریاں
حافظ محمد حق نواز
24



رپورٹ
شاہ فہد قرآن کمپلیکس
فقیر اللہ خاں
68



ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی
ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت

مولانا ارشاد الحق اثری — پروفیسر محمد یحییٰ — حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف — حافظ شبیر صدیق — حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت

چوہدری محمد یٰسین ظفر — ڈاکٹر محمد حماد لکھوی — مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد — حبیب کبریا

مجلس نظامت

حافظ عبدالعظیم اسد — قمر الحمید فیصل — عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی — محمد اعظم یٰسین — حافظ محمد ندیم
آرٹ اینڈ ڈیزائن — طارق جاوید عارفی — حافظ عثمان یوسف

ہارون الرشید (گرافک ڈیزائنر) عبدالرافع (گرافک ڈیزائنر) حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)
قانونی مشیر چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ) ملک نور محمد سرفراز اعوان

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- برائے ایزی پیسہ:
موسیٰ علی
0313 75 79 034
شناختی نمبر
34101-4002586-9

- آن لائن کروانے کے لیے:
A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court
Branch Lahore. Br Code: 1317

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی +92 313 75 79 034
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

اطلاع عام: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارہ یا چیف ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہ ہے۔ نفسِ مضمون کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر ہے لہٰذا ادارہ یا چیف ایڈیٹر اس بابت قانونی طور پر بری الذمہ ہوگا۔
(چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور)

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔ لوئر مال، لاہور

اداریہ	اپنے اوقات کو منظم کیجیے	چیف ایڈیٹر 5
اداریہ	معافی کافی نہیں.....!!	ایڈیٹر 9
تجلیات قرآن	بنی اسرائیل کو ملنے والی سزائیں اور امت مسلمہ	محمد نعمان فاروقی 10
انوارِ حدیث	حصولِ برکت کے اسباب	حافظ احسان الٰہی 14
اشاعتِ حدیث	غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث	ابوانس 19
عالمی منظر نامہ	ہمسایہ ممالک کی پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیاں	ابوولید ملک 20
فکر ونظر	سائنس وٹیکنالوجی سے دوری امہ کے زوال کی وجہ	فیصل علوی 23
تعلیم و تعلم	دینی مدارس اور امت کی ذمہ داریاں	حافظ محمد حق نواز 24
احکام و مسائل	موسم گرما سے متعلقہ احکام ومسائل	حافظ شبیر صدیق 30
تجارت و معیشت	آپ کا کاروبار غیر اسلامی تو نہیں؟	محمد قاسم 36
مکتوب الریاض	سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے گاؤں میں	عبدالمالک مجاہد 39
تزکیہ نفس	سچی نماز	ابوالکلام آزاد 48
افتاء و ارشاد	آپ کے سوالات اور ان کا حل	ابوالحسن عبدالخالق 50
مکتوب امریکہ	امریکہ میں فراڈ کے نت نئے طریقے	حافظ عبدالوحید سوہدروی 54
اصلاح معاشرہ	فحاشی کا سیلاب اور اس کے نقصانات	مولانا عبداللہ ناصر رحمانی 56
طب و سائنس	آم، پھلوں کا بادشاہ	ڈاکٹر طارق ریاض 62
گوشۂ خواتین	قرآن میں مذکور ماؤں کا تذکرہ	طارق جاوید عارفی 64
رپورٹ	شاہ فہد قرآن کمپلیکس	فقیر اللہ خاں 68
پکار	آؤ بڑو! پڑھو کہانی	ابونخلہ فرات 70
تعلیم و تعلم	کثرت مطالعہ	عمرہ حماد 72
رپورٹ	دارالسلام..... ماہ رفتہ	حافظ محمد ندیم 74

سالانہ زرِ تعاون | عام ڈاک صرف 460 روپے | رجسٹری ڈاک 800 روپے
دیگر ممالک میں سالانہ زرِ تعاون | سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 30 یورو
قیمت فی شمارہ 40 روپے

اپنے اوقات کو منظم کیجیے

مئی کے اوائل میں اخبار میں بڑی دلچسپ خبر تھی کہ چین میں ایک چینی لڑکی کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے، وہ سڑک پر گر پڑتی ہے۔ اس نے موبائل پر ایمبولینس کو طلب کیا، خود کو فوراً ہسپتال پہنچانے کی ڈیمانڈ کی۔ اب وہ انتظار کر رہی ہے کہ کب ایمبولینس آتی ہے؟ جب چند منٹ گزر گئے تو اس نے سوچا: میں اپنا وقت کیوں ضائع کروں؟ اس کا بیگ تھوڑے فاصلے پر سڑک پر ہی پڑا تھا، اس نے ہمت کی اور رینگتی ہوئی بیگ کی طرف بڑھی۔ اس نے بیگ میں سے اپنا آئی پیڈ نکالا۔ ان دنوں وہ انگلش زبان سیکھ رہی تھی۔ ایمبولینس آنے میں کوئی آدھ گھنٹہ سے زائد وقت لگ گیا، اس نے اس دوران 135 نئے الفاظ یاد کر لیے۔

قارئین کرام! میں نے جب سے یہ خبر پڑھی ہے کتنی ہی مرتبہ اس خبر پر غور وفکر کر چکا ہوں۔ دیکھا جائے تو یہ ایک معمولی سی خبر ہے، مگر اس خبر کے اندر کتنے ہی اسباق پوشیدہ ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے اپنے معمولات پر غور وفکر کیا۔ اپنے گرد وپیش پر نظر دوڑائی تو کچھ ایسے حقائق و واقعات میرے سامنے آتے چلے گئے جنھیں میں اپنے قارئین کرام کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ مجھ سمیت اگر ہمارے اکثر وبیشتر قارئین سے پوچھا جائے کہ عصر حاضر کا اہم ترین مسئلہ کیا ہے؟ تو ممکن ہے ان میں سرفہرست وقت کی کمی کا رونا ہی ہوگا۔ میرے پاس دفتر میں مہمان کثرت سے آتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی سے بھی اگر ملاقات سے گریز کیا جائے تو اس کی دل شکنی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں شہر کے لوگ بھی ہر وقت دعوتیں دیتے رہتے ہیں۔ اگر نرم سے نرم الفاظ بھی استعمال کروں تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان دعوتوں سے اب میں جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہوں۔ کسی بھی دعوت میں آپ چلے جائیں تو اس کام میں کم از کم تین گھنٹے ضرور صرف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر آپ کسی کو اپنے گھر بلوائیں تو بھی آپ کو کم از کم تین گھنٹے کے لیے اپنے آپ کو مہمانوں کے ساتھ پابند کرنا ہوتا ہے۔

ہمارے یہ پروگرام بالعموم گپ شپ اور کھانے تک محدود ہوتے ہیں۔ اس دوران آپ کے درمیان بلاشبہ کچھ کام کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ اگر کہیں تقاریر کا پروگرام ہو تو کچھ اچھی تقریریں بھی سننے کو مل جاتی ہیں، مگر سچ پوچھیے تو وقت کا بڑا حصہ ضائع ہی ہوتا ہے۔ میں عموماً پروگرام سے باہر آتا ہوں تو اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں: عبدالمالک! تم نے اس تقریب سے کیا حاصل کیا ہے؟ میں ملاقات کی اہمیت، صلہ رحمی، دعوت کو قبول کرنے کی اہمیت سے انکار نہیں کروں گا، مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بیشتر پروگرام ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں وقت بے دردی سے ضائع کیا جاتا ہے۔ کام کی باتیں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں، زیادہ تر لایعنی باتیں ہوتی ہیں جن کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہیں ہوتا۔ دراصل ان دنوں ایک شدید احساس نے میرے اندر جنم لیا ہے کہ زندگی کے جو شب و روز باقی رہ گئے ہیں ان کے لمحات وساعات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

عربی زبان میں ایک لفظ ''سوالیف'' ہے جس کے معنی گپ شپ کے ہیں۔ میرے پاس لوگ ملنے آتے ہیں تو عموماً موسم کے حال سے گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔ خبروں پر تبصرہ ہو تو اس میں ارکان حکومت پر تنقید یا ان کی توصیف اور ملکی مسائل و مشکلات کے حل پر اپنی اپنی آراء دینے کا ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ سارا دن بھی بحث کرتے رہیں تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ میں عموماً

اپنے ملاقاتیوں سے کہتا ہوں: ساتھیو! یہ ''سوالیف'' تو کبھی ختم نہیں ہوں گی، آیئے! کام کی بات کرتے ہیں اور یہ کام کی باتیں عموماً چند ہی منٹوں میں ختم ہو جاتی ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں لایعنی باتیں کرنے کا رواج اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ایک بڑی پیاری حدیث سامنے آ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ» ''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو ترک کر دے'' (جامع الترمذی:2317)

کسی زمانے میں ہم عورتوں کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ باتیں بہت زیادہ کرتی ہیں اور غیبت کرتی ہیں، مگر اب تو یہ رواج مردوں میں بھی عام ہو چکا ہے۔

جب میں اپنے سلف صالحین کی زندگیوں پر غور کرتا ہوں کہ انھوں نے کس طرح اپنے وقت کو قیمتی جانا، اس کی حفاظت کی اور اپنی زندگی کے ہر لمحہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا تو بڑا تعجب ہوتا ہے۔ آیئے میرے ساتھ، تھوڑی دیر کے لیے ہم اپنے ماضی میں جھانکتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمارے سلف نے اپنی مختصر زندگیوں سے کس طرح فائدہ اٹھایا۔ اپنے اوقات کی کس طرح حفاظت کی، مگر پہلے ایک حدیث پڑھ لیتے ہیں، پھر آگے بڑھتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ»

''دو نعمتوں کے بارے میں اکثر لوگ دھوکے اور فریب کا شکار ہیں۔ وہ ہیں: تندرستی اور فرصت۔'' (صحيح البخاري: 6412)

سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اپنے اوقات کی اس سے زیادہ حفاظت کرتے تھے، جتنی حفاظت تم اپنے درہم و دینار کی کرتے ہو۔ (مفتاح الأفكار لعبد العزيز سلمان : 29/3) قارئین کرام! یاد رہے کہ ایسے لوگوں سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

سعودی عرب کی ایک بہت بڑی شخصیت جن کو میں مجدد العصر کہوں گا ان کا نام شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ہے۔ میں نے جب ان کی زندگی کے معمولات پر نظر دوڑائی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ان کی زندگی اتنی منظم اور مرتب تھی، کیا مجال کہ اس میں ان کا کوئی وقت ضائع ہوتا ہو۔ وہ ہر وقت پڑھنے، پڑھانے، لکھوانے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ وقت کا ضیاع ان کے لیے ناممکنات میں سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بے شمار کام کیے۔ کتنی ہی کتابیں تالیف کیں۔ ہزاروں فتاوی دیے۔ بلا مبالغہ ہزاروں لیکچر دیے۔ تیس برس کے عرصے میں انھوں نے اپنی سرکاری ڈیوٹی سے ایک بھی چھٹی نہیں لی اور اس ساری مدت میں کبھی ان کے عصر کے بعد والے درس میں ناغہ نہیں ہوا، چاہے وہ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ انھوں نے جہاں بھی نماز عصر ادا کی اس کے بعد درس ضرور دیا۔

ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی بھی ایک ایسی ہی شخصیت ہیں، راقم الحروف جن سے نہایت درجہ متاثر ہے۔ یہ محیر العقول شخصیت ہیں۔ اس اکیلے شخص نے اتنے کارنامے سرانجام دیے ہیں کہ سن کر اور پڑھ کر تعجب ہوتا ہے۔ میں نے ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر محمد الترکی سے ایک مرتبہ پوچھا: ڈاکٹر صاحب کی بہت ساری خوبیاں ہیں، ان میں سب سے نمایاں خوبی کیا ہے؟ کہنے لگے: ڈاکٹر صاحب اپنا وقت قطعاً ضائع نہیں کرتے۔ اس بات کی میں اس طرح تائید کروں گا کہ مجھے اس عظیم شخصیت سے متعدد بار ملاقات کا موقع ملا ہے۔ ملاقات کے دوران صرف کام کی بات کی، میری باتیں اور مسائل ضرور سنے، اپنے مشورے بھی دیے، مگر کم سے کم وقت میں بات کو سمیٹ دیا۔ میرے اپنے دفتر میں کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مہمان آ جاتے ہیں تو اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اب مروت کے باعث میں ان سے گپ شپ کر رہا ہوں۔ مگر ''سوالیف'' تو سارا دن ختم نہیں ہوتیں۔ ان کو کون سمجھائے کہ وقت بہت قیمتی چیز ہے اس کی قدر کریں، اگر آپ فارغ البال ہیں تو ہم تو مصروف ہیں۔

میں کئی مرتبہ ان لوگوں کو بڑے تعجب سے دیکھتا ہوں جو چوکوں اور بازاروں میں بیٹھ کر شطرنج اور تاش وغیرہ کھیل رہے ہوتے ہیں اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔ ٹی وی کے سامنے گھنٹوں بیٹھ کر اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اگر یہ پوچھا جائے: میرے بھائی! کیا آپ نے آج قرآن کریم کی تلاوت کی ہے؟ تو جواب نفی میں ملتا ہے، کہتے ہیں: جی ہمارے پاس تو وقت ہی نہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے بہت سے فرامین میں جا بجا وقت کی اہمیت سے ہمیں آگاہ فرمایا ہے۔ ہمیں بتایا کہ وقت سے فائدہ کیسے اٹھانا ہے۔ ایک بڑی خوبصورت حدیث ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ''اگر قیامت قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودے کی قلم ہو، تو اب اگر وہ موت سے پہلے اسے زمین میں لگا سکتا ہے تو ضرور لگا دے۔'' (مسند أحمد: 191/3)

ہمارے اسلاف نے وقت اور کام کی اہمیت کو کیسے واضح کیا، اس کی ایک خوبصورت مثال یہ ہے کہ سیدنا عمارہ بن خزیمہ بن ثابت رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد خزیمہ سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: خزیمہ! تم اپنی زمین میں کاشتکاری کیوں نہیں کرتے، اس میں پودے کیوں نہیں لگاتے؟ عرض کیا: میں بوڑھا آدمی ہوں، اب اس عمر میں پودے لگا کر کیا کروں گا، کسی بھی وقت موت آ سکتی ہے۔ اب ذرا دیکھیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ انھیں کیا جواب دیتے ہیں، فرمانے لگے: ابھی اٹھو اور پودے لگاؤ، چلو میں بھی تمھاری مدد کرتا ہوں اور پھر خود ان کے ساتھ مل کر پودے لگانے لگے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر کچھ ایسی قسمیں کھائی ہیں، جو ہمیں وقت کی اہمیت بتاتی ہیں، مثلاً: **واللیل، والنھار، والصبح، والفجر، والضحی** اور **والعصر**۔ ذرا غور کیجیے..... کیا یہ آیات ربانی ہمیں وقت کی قدر و قیمت نہیں بتاتی ہیں؟ میں اکثر اپنی مجالس میں کہا کرتا ہوں: میرے نزدیک مؤذن کا منصب اور ڈیوٹی سب سے اہم اور مشکل ہے۔ آپ پوچھیں گے: کیوں؟ تو میرا جواب ہوگا کہ اذان کے اوقات میں ایک منٹ کی بھی تقدیم و تاخیر ممکن نہیں۔ اذان ہر حال میں اپنے وقت پر ہی دی جائے گی۔ وقت سے پہلے تو ممکن ہی نہیں، مگر ذرا سی تاخیر ہو جائے تو ہر کوئی کہتا پھرتا ہے: آج مسجد میں اذان تاخیر سے ہوئی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وقت کی اہمیت کو اس طرح واضح کرتے ہیں: مجھے اس سے بڑھ کر کسی چیز پر ندامت نہیں ہوتی کہ کسی دن کا سورج غروب ہو، میری عمر میں ایک دن کی کمی تو ہو جائے مگر میرے نامہ اعمال میں نیکیوں کا کوئی اضافہ نہ ہو۔ (مفتاح الافکار: 29/3)

میں پھر اس طرف آتا ہوں کہ جب تک ہم اپنی مجالس میں کسی شخص کے بارے میں بات نہ کر لیں، ہمیں چین نہیں آتا۔ گفتگو کچھ اس قسم کی ہوگی: فلاں..... ہاں جی فلاں..... تو کیا ہوا؟ اس کی شادی کو کتنی دیر گزر گئی ہے مگر اس کے ہاں اولاد نہیں ہوئی..... اچھا تو قصور کس کا ہے؟ عورت میں کوئی نقص ہوگا، بیماری ہوگی..... یا مرد میں خامی ہوگی۔

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ جن لوگوں نے اپنی زندگی کے بعد اس دنیا میں کچھ سنہرے نقوش چھوڑے ہیں انھوں نے وقت کا درست اور صحیح سمت میں کس طرح استعمال کیا؟ **ریاض الصالحین** کے مؤلف امام نووی رحمہ اللہ صرف بیالیس سال زندہ رہے، لیکن ذرا غور کریں انھوں نے امت کے لیے کس قدر عمدہ اور قیمتی تصانیف چھوڑی ہیں۔ ان کی صرف ایک کتاب ریاض الصالحین ہی کو دیکھ لیجیے، جس کے بارے میں یہ مسلمہ امر ہے کہ قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ریاض الصالحین ہے۔ دنیا کے تعلیمی اداروں میں، علمی گھرانوں میں، مکتبات میں، مساجد میں، شاید ہی کوئی سکول، کالج، یونیورسٹی، گھر، مسجد یا مکتبہ ایسا ہو جس میں ریاض الصالحین نہ پائی جاتی ہو۔ امام نووی رات دن سفر و حضر میں اپنے وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے تھے، حتی کہ دوران سفر بھی وہ اپنی تالیفات کے متون کو دہراتے اور ان کی تصحیح کرتے رہتے تھے۔ **شرح صحیح مسلم، المجموع شرح المھذب، کتاب الأذکار، تھذیب الأسماء واللغات، روضة الطالبین** جیسی عظیم الشان کتب انھوں نے اپنی اسی بیالیس سالہ زندگی میں مکمل کیں۔ انھوں نے جو کتب لکھیں ان کے بعض شاگردوں نے ان کے صفحات کو گنا پھر حساب لگایا کہ جب سے وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوئی ان تمام دنوں کو شمار کیا جائے تو انھوں نے جو کچھ لکھا ہر روز نوے صفحات بنتے ہیں۔ (المنھل، ص: 15)

امام شافعی رحمہ اللہ بھی پچاس سال سے کم عرصہ زندہ رہے، مگر انھوں نے ہمارے لیے جو علمی خزانہ چھوڑا اس میں ''الأم'' نامی کتاب ہے جو اصول فقہ کی پہلی کتاب ہے۔

میں مان لیتا ہوں کہ ان وقتوں میں ''پارکر'' کے قلم نہیں تھے اس وقت دوات اور قلم ہوتی تھی۔ یہ صفحات بلاشبہ بڑے بڑے تھے ان پر موٹا موٹا لکھا

جاتا تھا، مگر اس کے باوجود کیا ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم صرف نوے صفحات کو روزانہ پڑھ سکیں، لکھنا تو دور کی بات ہے۔

قارئین کرام! وقت کے حوالے سے جتنا بھی لکھ لیں کم ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے چینی لڑکی والی خبر بار بار آجاتی ہے کہ اس نے تکلیف کی حالت میں زخمی ہوتے ہوئے بھی وقت ضائع کرنے کے بجائے علم حاصل کرنے کو ترجیح دی۔ وہ تو ایک غیر مسلم لڑکی تھی جس نے علم حاصل کرنے میں کوئی لمحہ ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

مگر ہمارے ہاں لوگوں کو دیکھیے، فضول قسم کی گفتگو کے لیے ان کے پاس بے حد وقت ہے، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو مسلمان کی زندگی میں ایک ایک منٹ بڑا قیمتی ہے۔ ایک منٹ میں ہم کتنے کام کر سکتے ہیں؟ ذرا غور کیجیے ہم سورۃ الفاتحہ کئی بار پڑھ سکتے ہیں۔ سورۃ الاخلاص تین مرتبہ پڑھ سکتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ ایک سو مرتبہ پڑھ سکتے ہیں۔ کتنے ہی صبح و شام کے اذکار ہیں جن کو پڑھنے کے لیے چند منٹ درکار ہیں، مگر ہم اپنے قیمتی وقت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اسے بے کار کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ مہمان آجائے تو اس کے پاس بیٹھ کر گپیں لگاتے لگاتے نمازیں تک ضائع کر دیتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ایک اچھے اور کامیاب مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وقت کو منظم کرے۔ آپ اپنی اولاد کو بھی وقت دیں، کچھ وقت بیوی کے لیے ہو، کچھ وقت اپنے جسم کو سکون، چین اور آرام پہنچانے کے لیے بھی ہو۔ آپ کے دفتر کے لیے وقت ہو، نمازوں کے لیے وقت، مسجد میں بیٹھنے کے لیے وقت، قرآن پڑھنے کے لیے وقت، اپنے والدین، عزیز و اقارب اور دوستوں کو ملنے کے لیے وقت نکالیے۔ اسی طرح ہفتہ میں ایک مرتبہ دوستوں کے ساتھ وقت گزاریں، جس میں علم کی باتیں ہوں، آپ کچھ سیکھیں کچھ ان کو سکھائیں۔ رشتہ داروں کو ملنے کے لیے وقت نکالیں۔ کتابیں پڑھنے کے لیے وقت مختص کریں۔

آیئے اللہ کے رسول ﷺ کی ایک حدیث پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ.....» پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو! ان پانچ چیزوں میں سے ایک «فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ» بھی ہے۔ یعنی بری طرح مصروف ہونے سے پہلے پہلے اپنی فراغت کو غنیمت سمجھیں۔ (صحيح الجامع للألباني: 97/1)

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم کبھی کبھار اپنا محاسبہ نفس بھی کر لیا کریں، مثلاً: ہم اپنے آپ سے سوال کریں کہ اس ہفتہ میں ہم نے کیا کچھ کیا؟ کیا ہم نے مریض کی عیادت کی، کسی فقیر کی معاونت کی، کسی درس میں شرکت کی، کیا خیر اور نیکی کے کاموں میں حصہ لیا، برائی اور شر سے کسی کو روکا، کیا کسی جگہ لیکچر یا درس دیا یا کسی جگہ مسلمانوں کو اچھے کاموں کی نصیحت کی، کیا کبھی کسی غیر مسلم کو خوبصورتی سے اسلام کی دعوت پیش کی؟ گزشتہ ہفتے کا محاسبہ کریں۔

کسی بڑے کا قول ہے: اگر تم دنیا حاصل کرنا چاہتے ہو تو علم حاصل کرو، اور اگر آخرت کے طلب گار ہو تو بھی علم حاصل کرو اور اگر تم دین اور دنیا دونوں کے طلبگار ہو تو بھی علم حاصل کرو۔ سیدنا عبداللہ بن مبارک سے کسی نے کہا: اگر آپ کو بتا دیا جائے کہ آج کا دن آپ کی زندگی کا آخری دن ہے تو آپ یہ سن کر کیا کریں گے؟ انھوں نے فرمایا: میں اسی وقت اٹھوں گا اور علم حاصل کرنا شروع کر دوں گا۔ یاد رکھیے کہ علم حاصل کرنے کے لیے آپ کو اپنے اوقات کو منظم کرنا ہوگا۔ ہمیں کوشش کرنا ہوگی کہ ہم غیر ضروری پروگراموں میں شرکت نہ کریں۔ میرے استاد فضیلۃ الدکتور فضل الٰہی حفظہ اللہ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا:

''عبدالمالک! ہر مجلس اور ہر پروگرام میں شرکت نہ کیا کرو۔'' کیا وجہ ہے کہ ہم ہر جگہ اور ہر پروگرام میں ضرور ہی شرکت کریں؟ اگر آپ کامیابیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے وقت کو منظم کریں۔

محبکم: عبدالمالک مجاہد

معافی کافی نہیں.....

صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کی اہانت کے بارے میں قانون سازی کا وقت آگیا!!

ایڈیٹر

پچھلے دنوں ایک نجی ٹی وی چینل کی طرف سے خلیفہ چہارم، حیدر کرار دامادِ رسول سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدۃ نساءِ اہل الجنہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اہانت کا ارتکاب کیا گیا۔ جس میں انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسے پاکیزہ جوڑے کے نکاح پر مبنی قوالی چلائی اور ساتھ ساتھ ایک اداکارہ کی اپنے خاوند کے ساتھ جعلی شادی دکھاتے رہے۔ اور یہ اداکارہ بھی مسکراہٹیں لٹا کر داد سمیٹتی رہی۔ یہ تو ایک متنازعہ نقال اداکارہ کا معاملہ ہے، اس کا کیا ذکر، حق یہ ہے کہ اگر آج کرۂ ارض کی ساری نیک سے نیک تر خواتین بھی مل جائیں تو وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔

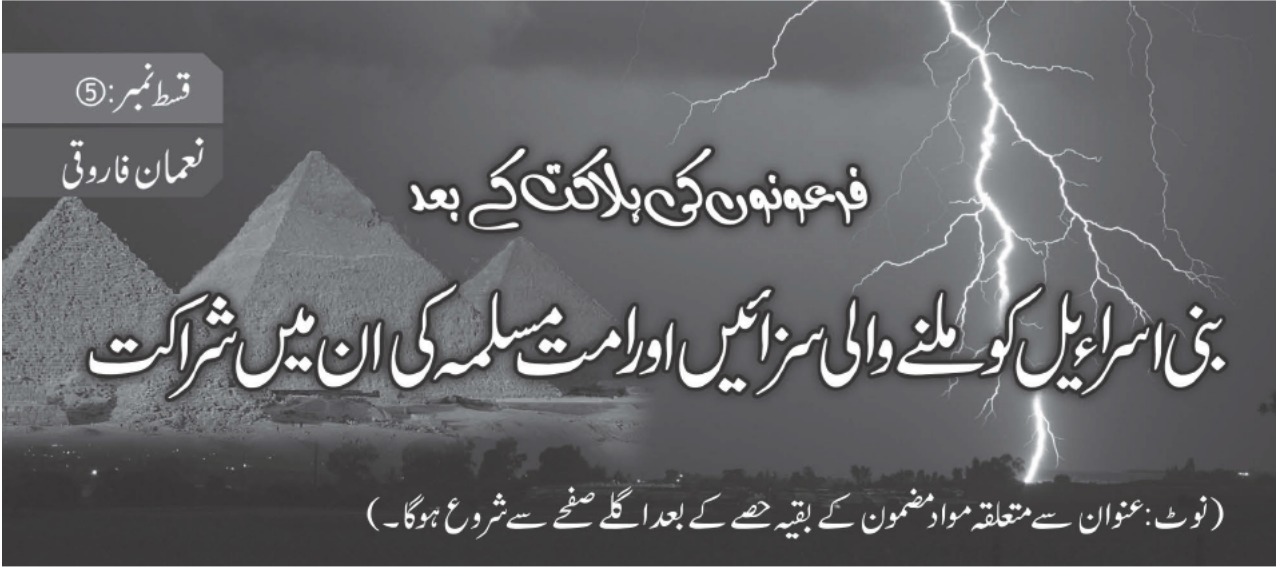
یہ جرم اس لحاظ سے بھی انتہائی خوفناک جسارت کی حیثیت رکھتا ہے کہ ایک پروگرام کو منظرعام پر لانے کے لیے تدریجی منصوبہ بندی کے بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ مگر منصوبہ بندی سے نشر ہونے تک کے درمیانی سیکڑوں لوگوں میں سے کسی بھی شخص کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ کتنی برگزیدہ ہستیوں کے نام پر یہ کتنی گھٹیا درجے کی اداکارہ کی تقریب عروسی دکھائی جارہی ہے۔ ع چراغِ مردہ کجا شمعِ آفتاب کجا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور دیگر ٹی وی چینل اس سے قبل انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کریکٹر پر فلمیں دکھاتے رہے ہیں، حالانکہ اس دور میں بھی ان کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی گئی تھی۔ اسی طرح یہ قوالی بھی اس سے پہلے نشر ہوئی ہے مگر اسے جو اس اداکارہ کے ساتھ جوڑا گیا یہ انتہائی خطرناک واردات ہے۔ اس صورت حال نے ہمیں نہایت سنجیدگی سے یہ نوٹس لینے کا موقع فراہم کردیا ہے کہ ان قوالیوں میں صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم ہی نہیں بلکہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور احکام کا استہزا اور اللہ تعالیٰ کی توہین کا دھڑلے سے مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ہم نہایت بے حسی سے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرتے ہیں اور افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ لوگ صبح کے وقت ان قوالیوں کو ثواب سمجھ کر قرآن مجید کی جگہ سنتے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ کریں:

حیران ہوں اس بات پہ تم کون ہو کیا ہو ہاتھ آؤ تو بت، ہاتھ نہ آؤ تو خدا ہو
تم اک گورکھ دھندا ہو

بروز حشر ہے، اتنی بھی جلد بازی کیا ہے؟ ذرا شراب تو پی لیں حساب دیتے ہیں

ذرا سوچیے!! اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان میں ایک گستاخی کو قوم نے برداشت نہیں کیا اور پرزور احتجاج کیا، یقیناً اس سے بھی بڑھ کر مذمت کا اظہار ہونا چاہیے تھا مگر ہم نے کبھی غور کیا کہ اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت اور عظمت کی وجہ یہ ہے کہ ان ہستیوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت، عزت اور ناموس اس وجہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں مگر ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی اور وحدانیت کو چیلنج کرنے والوں کے لیے سرے سے کوئی قانون ہی موجود نہیں، نہ اس فقدان پر کوئی مؤثر آواز اٹھاتا ہے۔

اہل بیت اطہار، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انبیائے کرام علیہم السلام کی اہانت کی کسی بھی کوشش کو معاف کرنے کے ہم لوگ مجاز نہیں۔ کوئی ان ہستیوں کی شان میں گستاخی کرے اور معافی قوم سے مانگے اس کا کوئی تک نہیں۔ اس معافی کا اختیار ہمارے پاس نہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف شرعی سزائیں ہیں جو انھیں التزاماً ملنی چاہئیں۔ اس بارے میں معافی اور معذرت قبول کرنے کا دروازہ اس لیے نہیں کھولا گیا کہ اس طرح یہ ایک شرمناک معمول بن جائے گا کہ لوگ نازیبا الفاظ کہیں گے اور بعد میں یہ عذر لنگ پیش کریں گے کہ ہم نے معافی مانگ لی ہے۔ لہٰذا اب وقت آگیا ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی اہانت کرنے والوں کے متعلق شریعت کی روشنی میں قانون سازی کردی جائے تاکہ آئندہ کوئی بھی بدبخت ایسی جسارت نہ کرے۔



قسط نمبر:⑤

نعمان فاروقی

فرعونوں کی ہلاکت کے بعد

بنی اسراءیل کو ملنے والی سزائیں اور امت مسلمہ کی ان میں شراکت

(نوٹ: عنوان سے متعلقہ مواد مضمون کے بقیہ حصے کے بعد اگلے صفحے سے شروع ہوگا۔)

⑮	بے تکے اور بے مقصد سوال	﴿اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول ﷺ سے اس طرح سوال کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیے گئے۔'' سابقہ حدیث بھی بتاتی ہے کہ بنی اسراءیل بے مقصد سوال کیا کرتے تھے۔ جبکہ گائے کے متعلق ان کے سوالات سورۂ بقرہ آیت 67-71 میں موجود ہیں۔	(البقرۃ 108:2)	تحقیق وعمل کے لیے سوال کرنے میں حرج نہیں مگر بہت سے لوگ عمل سے بچنے کے لیے، سینہ زوری سے جواز پیدا کرنے کے لیے، دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے یا اپنی علمیت کے اظہار کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اور بعض بالکل بے مقصد سوال کرتے ہیں۔ مثلاً شیطان نے جنت میں جا کر آدم علیہ السلام کو کیسے ورغلایا حالانکہ شیطان جنت میں نہیں جاسکتا؟ جس درخت سے روکا گیا تھا وہ کون سا تھا؟ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے ایک شخص راقم سے پوچھ رہا تھا کہ نبی ﷺ نے ایک جنگ کے موقع پر صفیں سیدھی کراتے ہوئے ایک شخص کو چھڑی ماری تھی وہ چھڑی کس لکڑی کی تھی؟
⑯	اکثریت برے کردار کی حامل	﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور ان میں سے بہت سے لوگ برے کام کرتے ہیں۔'' ﴿ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ﴾ پھر اس کے بعد ان میں سے بہت سے زمین میں البتہ زیادتی کرنے والے تھے۔''	(المائدۃ 66:5)	برائی بالکل ختم نہیں ہوسکتی۔ کسی معاشرے میں یہ نیکی پر غالب آجاتی ہے اور کسی جگہ یہ نیکی کے مقابلے میں دب جاتی ہے۔ مگر یہود کی اکثریت برے لوگوں کی تھی۔ اسی طرح ہمارے آج کے اس معاشرے میں اکثریت بھی برے لوگوں کی ہے اور برے اعمال بھی نیکی کے مقابلے میں بڑی کثرت سے ہیں۔ ع نیکی پر بدی کا غلبہ ہے، سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے جبکہ خیر القرون میں برائی برائے نام تھی۔



47	حق سے اعراض	﴿وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ''اور تم اعراض کرنے والے ہو۔''	(البقرۃ 83:2)	قرآن مجید میں اعراض کا ذکر کئی طرح سے ہوا ہے۔حق سے اعراض، قرآنی آیات سے اعراض، آفاقی آیات سے انکار، ذکر سے اعراض مگر یہاں یہود کے لیے مطلق طور پر ''معرضون'' کا لفظ ارشاد فرمایا ہے۔ موجودہ مسلمان بھی تقریباً اعراض کی ان تمام کیفیات میں مبتلا ہیں۔
48	یہود اور دوسری اقوام میں فرق کا تصور	﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ ''امیین کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں۔'' امیین سے مراد عرب بھی ہوسکتے ہیں اور یہود کے علاوہ دیگر تمام اقوام بھی۔ بہرحال یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری کسی بھی قوم پر زیادتی یا حق تلفی کے بارے میں یہود کا یہ تصور ضرور تھا کہ ان کے بارے میں ہم سے پوچھا نہیں جائے گا۔	(اٰل عمران 75:3)	مسلمانوں نے بھی کئی خانوادے اور سلسلے مختص کر لیے ہیں جن کو عام مسلمانوں سے علیحدہ ہی تصور کیا جاتا ہے۔اور ان کی کوتاہیاں اور کمزوریاں بھی اچھائیاں تصور ہوتی ہیں۔ وہ کوئی ''زیادتی'' بھی کرلیں تو انھیں اس کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔
49	دین پر طعنہ زنی اور ہنسی مذاق	﴿وَطَعْنًا فِي الدِّينِ﴾ ''اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے۔'' ﴿لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا﴾ ''تم ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو مذاق بنایا۔''	(النساء 46:4) (المآئدۃ 57:5)	اس بارے میں مسلمانوں کو یہود کی بھی ضرورت نہیں۔ شرعی اعمال اور احکام کو مسلمانوں ہی کی طرف سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا اب معمول کا حصہ بن چکا ہے۔ اگر مذاق نہ بھی کریں تو حقیر ضرور سمجھتے ہیں۔

یہ 49 بڑی بڑی خامیاں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت ہیں اور ان کے ذیل میں آنے والی بھی بہت ہیں جن میں بنی اسراءیل بری طرح ملوث تھے۔ چاروں طرف سے بری طرح برائی کی لپیٹ میں تھے۔ شاید اسی لیے بنی اسراءیل کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا ہے: ﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''کیوں نہیں! جس نے گناہ ہی کمائے اور اس کی خطاؤں نے اسے گھیر لیا تو یہ لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (البقرۃ 81:2)

بنی اسراءیل کی دنیوی اور اخروی سزائیں

اب خود سوچیے جس قوم میں اس قدر برائیاں ہوں وہ اللہ کے انعام کی کیونکر مستحق ہوسکتی ہے؟ اسی لیے دنیا میں بھی انھیں عذاب سے دوچار کیا گیا اور آخرت میں بھی ان کے لیے ہولناک عذاب ہے۔

اب ہم بنی اسراءیل کی سزاؤں کو دو حصوں میں بیان کرتے ہیں: ① دنیوی سزائیں ② اخروی عذاب

ذیل میں دیے گئے ٹیبل کو محض تاریخی حقائق و مشاہدات یا علم میں اضافے کے لیے نہ پڑھیں بلکہ جائزہ لیں کہ بنی اسراءیل کو ملنے والی کون کون سے دنیوی سزا ہے جس میں ہماری امت بھی گرفتار ہے۔ سزا اسی نوعیت کی ہوتی ہے جس نوعیت کا جرم ہوتا ہے۔ ہمیں اگر بنی اسراءیل جیسی سزائیں مل رہی ہیں تو یقیناً ہمارے جرائم بھی اسی نوعیت کے ہوں گے اور یہ بھی جان لیں کہ اگر دنیا میں اس قسم کی سزائیں ہیں تو آخرت میں بھی راحت نہیں ہوگی۔



بنی اسراء یل کی دنیوی سزاؤں کا خاکہ

شمار	سزا کی نوعیت	آیات مع ترجمہ	اس امت میں بنی اسراء یل جیسی سزاؤں کا وجود
	ذلت اور رسوائی	﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ﴾ ''اور ان پر ذلت مسلط کردی گئی۔'' (البقرة 61:2) ﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''لہٰذا جو یہ کام کرے اس کی سزا دنیا میں ذلت کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟'' (البقرة 85:2) ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ ''دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے۔'' (المائدة 41:5) مذکورہ آیات میں ''ذلت'' اور «خزی» کے الفاظ علیحدہ علیحدہ آئے ہیں۔ دونوں کے مفہوم میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ذلت کہتے ہیں زور اور قوت کے آگے دب جانے کو اور «خزی» کا مفہوم ہے لوگوں کی نظروں میں گر جانا۔ (ملخص از مترادفات القرآن، ص:528)	موجودہ مسلمان اپنے علاقوں میں بھی اپنا قانون نافذ نہیں کرسکتے، دشمن جب چاہے ڈرون حملہ کردے، بھرے بازار میں مسلمان قتل کردیے جائیں۔ مسلمان اپنی تہذیب و ثقافت کے بجائے اغیار کی تہذیب اپنانے میں فخر محسوس کریں۔ اپنی زبان بولنے میں حقارت محسوس کریں۔ معیشت کا سارا نظام اغیار کے رحم و کرم پر ہو۔ 58 اسلامی ریاستیں اور تقریباً پونے دو ارب مسلمان ہیں، اس کے باوجود قرآن مجید کی اہانت اور پیغمبر ﷺ کی گستاخی کی کوششوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ذلت نہیں تو کیا ہے؟ اور اقوام عالم کے سامنے موجودہ مسلمانوں کی جو حیثیت ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ عالمی سطح پر مسلمانوں کا تاثر بھی ''رسوائی'' کی سزا کا پتہ دیتا ہے۔
	مسکنت اور محتاجی	﴿وَالْمَسْكَنَةُ﴾ ''اور محتاجی (بھی ان پر مسلط) کردی گئی۔'' (البقرة 61:2)	اپنا نظام بنانے میں، اس کی تنفیذ میں، معیشت کا پہیہ چلانے میں، آلات اور سہولیات سے فائدہ اٹھانے میں دوسروں کی محتاجی موجودہ مسلمانوں کا مقدر ٹھہرا ہے۔ دوسروں کے سہارے کے بغیر جینا محال نظر آتا ہے۔
	لعنت کے سزاوار	﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ﴾ ''چنانچہ ان کی عہد شکنی کے باعث ہم نے ان پر لعنت کی۔'' (المائدة 12:5) ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ''بنی اسراء یل میں سے کافروں پر داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی۔'' (المائدة 78:5) ﴿بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ ''بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کی۔'' (البقرة 88:2) فرمان نبوی ہے: «لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارىٰ اِتَّخَذُوا قُبُورَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَّسَاجِدَ» ''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔'' (صحيح البخاري:1330)	کوئی شخص دین اور اس کے علوم سے جس قدر بھی دور ہو وہ یہ بات واضح طور پر جان سکتا ہے کہ اللہ کی رحمت موجودہ مسلمانوں سے روٹھی ہوئی ہے۔ اسے ہی لعنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مسلمان تو رحمت دوعالم ﷺ کی طرف سے بھی لعنت کے مستحق بن رہے ہیں۔ کئی ایسے جرائم ہیں جن کے ارتکاب پر آپ ﷺ نے لعنت کی ہے اور امت ایسے کام دھڑلے سے کرتی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے چوری کرنے والے پر لعنت کی۔ (صحيح البخاري:6783) اپنے والد پر لعنت کا سبب بننے والے شخص پر لعنت کی۔ (صحيح مسلم: 1978) مرد ہوکر عورتوں اور عورت ہوکر مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والے پر لعنت کی۔ (صحيح البخاري: 5885)



	غضب الٰہی کے مستحق	﴿فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ ''تو وہ غضب پر غضب لے کر لوٹے۔'' (البقرة 90:2) ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ ''جن پر غضب ہوا'' (الفاتحة 7:1) سے مراد یہود ہیں۔ (مسند أحمد: 378/4)	موجودہ مسلمان جس کربناک صورت حال سے گزر رہے ہیں، اس کا جائزہ لینے سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ اللہ ہم سے راضی نہیں ہے۔ ہم اس کے غضب کا عذاب جھیل رہے ہیں۔ کیونکہ جن سے اللہ راضی تھا، یعنی اس امت کے پہلے جلیل القدر لوگ وہ تو ایک سنہری تاریخ رقم کر کے گئے، کامیابیوں نے ان کے قدم چومے، وقت کی طاقتیں ان کے سامنے ڈھیر ہوئیں، دشمن ان سے مرعوب ہوئے۔ آج ہم مجبور و مقہور اور مرعوب ہیں اور دشمن کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اللہ کو ماننے والوں کے یہ حالات غضب الٰہی کی عکاسی کرتے ہیں۔
	دلوں کی سختی	﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ ''اور ہم نے ان (یہود) کے دلوں کو سخت کر دیا۔'' (المائدة 13:5)	جس دل پر قرآن و سنت کی نصیحتیں اثر نہ کریں، اسے دل کے بجائے پتھر کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اگر کوئی سمجھے تو یہ بہت بڑی سزا ہے۔ ایسے پتھر دل انسان ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ ہیں جو کسی اچھی اور نیک بات کو سن کر سر ہلاتے ہیں مگر عقیدے اور عمل میں معمولی سی بہتری بھی نہیں لاتے۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ کارنامہ انجام دے رہے ہیں بلکہ وہ اللہ کی طرف سے دلوں کی سختی کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کو دلوں کے سخت ہو جانے سے روکا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ اہل کتاب کی طرح نہ ہونا۔ (دیکھیے: الحدید 16:57) مگر مسلمان دلوں کی سختی کا یہ عذاب بھی جھیل رہے ہیں۔ یہود میں بہت سی خامیاں تھیں اور ان خامیوں کا بڑا سبب یہ تھا کہ ان کے دل سخت ہو چکے تھے جو برائی کو برائی نہیں سمجھتے تھے ورنہ اللہ اور اپنے رسول سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو وہ بھی مانتے تھے۔ (جاری ہے)



حافظ احسان الٰہی

حصول برکت والے اعمال

انسان ہر وقت اسی تمنا و لالچ میں رہتا ہے کہ اس کی زندگی، مال، اولاد اور اس کی تمام پسندیدہ چیزیں جن کو حاصل کرنا وہ اپنے لیے خوش قسمتی اور سعادت سمجھتا ہے مزید بڑھادی جائیں۔ جبکہ ایک مومن بندہ مذکورہ بالا چیزوں کے حصول کے لیے ہمہ وقت اللہ رب العزت کے حضور دعاؤں و التجاؤں کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ پتہ نہیں کب رحمت الٰہی جوش میں آئے اور اس کی تمام پسندیدہ چیزیں برکت الٰہی سے مزین کردی جائیں کیونکہ نبی مکرم ﷺ اپنے اکثر کاموں کے لیے برکت الٰہی کے طلبگار رہتے تھے۔ اور دعا بھی فرمایا کرتے تھے۔

برکت

کسی بھی کام یا چیز میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی کے رُکنے اور معلوم ہونے کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ جب کسی کم چیز میں اترتی ہے تو اسے زیادہ کردیتی ہے اور جب کسی زیادہ چیز میں اترتی ہے تو اسے نفع مند بنادیتی ہے۔ اسی لیے ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے اپنے امور و معاملات کے لیے برکت کی دعا کرنی چاہیے۔ تمام امور و معاملات میں برکت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں استعمال کیا جائے۔ علم میں برکت تو بالکل واضح اور روشن ہے۔ بعض لوگ کم علم ہوتے ہیں لیکن باعمل، نیک فطرت، صالح و متقی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں داعی، مبلغ، مدرس، مصنف یا بڑا عہدہ عطا فرما کر نفع مند بنادیتا ہے۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کے ہاں علم کی زیادتی ہوتی ہے لیکن بے سود اور بے فائدہ۔ عوام الناس ان سے مستفید نہیں ہوتے۔

جب اللہ تعالیٰ برکت نازل فرماتا ہے تو انسان کے مال، اولاد، اوقات، علم و عمل، رزق، دعوت، سواری، گھر، عقل و شعور، اعضاء و جوارح، غرضیکہ اس کی ہر پسندیدہ چیز میں برکت عام ہوجاتی ہے۔ اس برکت کا حصول کیسے ممکن ہے؟ آیئے اس بارے میں قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔

① تلاوت قرآن

قرآن مجید ایک بابرکت کتاب ہے۔ یہ کتاب بدنی امراض اور دلی بیماریوں کے لیے کافی و شافی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ”یہ (قرآن) ایک کتاب ہے۔ ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا، بڑی برکت والی ہے، تاکہ وہ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں۔“ (صٓ 29:38)

② تقویٰ

اللہ رب العالمین کا ڈر اور خوف تمام نیکیوں کی کنجی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ”اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔“ (الأعراف 96:7)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ”اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور وہ اسے رزق دیتا ہے جہاں



سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔'' (الطلاق 3,2:65)

کسی نیک و متقی شخص کو بتایا گیا کہ نرخ (بھاؤ) بڑھ گئے ہیں تو اس نے کہا کہ انھیں تقویٰ کے ساتھ کم کرلو۔ کہا جاتا ہے کہ متقی انسان کبھی کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ فقہاء میں سے کسی فقیہ کے سامنے یہ آیت کریمہ تلاوت کی گئی: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق 3,2:65) تو اس فقیہ نے کہا: اللہ کی قسم ہمارے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ تو بنا دیا گیا لیکن ہم کما حقہ تقویٰ تک نہ پہنچ سکے اور یقیناً ہمیں رزق بھی عطا کیا گیا ہے لیکن ہم تقویٰ اختیار نہ کر سکے اور ہم تیسری چیز کی امید ضرور رکھتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا﴾ ''اور جو (شخص) اللہ سے ڈرے تو وہ اس سے اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے، اور اسے زیادہ اجر دیتا ہے۔'' (الطلاق 5:65)

③ توکل علی اللہ

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ ''اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔'' (الطلاق 3:65)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوا خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا» ''اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو، جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی وہ ایسے ہی رزق دے گا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ وہ صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر اور سیر ہو کر آتے ہیں۔'' (سنن ابن ماجه: 4164)

④ نعمت پر شکر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ ''اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمھیں مزید دوں گا۔'' (ابراهيم 7:14)

⑤ حرام مال سے بچنا

حرام اور ناجائز مال کی تمام صورتوں اور شکلوں سے بچنا چاہیے۔ بظاہر تو ان میں بڑے فوائد نظر آتے ہیں مگر درحقیقت یہ ہر طرح کی خیر و برکت سے خالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِى الصَّدَقٰتِ﴾ ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔'' (البقرة 276:2)

⑥ انفاق فی سبیل اللہ اور صدقہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ﴾ ''اور تم کوئی بھی چیز خرچ کرتے ہو تو وہ اس کا عوض دیتا ہے۔'' (سبا 39:34) اور حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «يَا ابْنَ آدمَ! أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيكَ» ''اے ابن آدم! تو خرچ کر تو میں تجھ کو دیے جاؤں گا۔'' (صحيح مسلم:993) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَا مِنْ يَومٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا» ''کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے آسمان سے نہ اترتے ہوں۔ ایک فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنیوالے کو اس کا بدلہ دے اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! مال خرچ نہ کرنے والے بخیل کے مال کو تلف و برباد کر دے۔'' (صحيح البخاري: 1442)

⑦ فرض نماز کی ادائیگی

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ ''اور اہل و عیال کو نماز کا حکم دیجیے اور (خود بھی) اس پر قائم رہیے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں اور (بہترین) انجام تو (اہل) تقویٰ کے لیے ہے۔'' (طٰہٰ 132:20)

⑧ توبہ

اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾ ''پھر تم اسی کی طرف توبہ کرو، وہ تمھیں بہت اچھا فائدہ دے گا ایک مقررہ وقت تک اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل بخشے گا۔'' (هود 3:11)

⑨ استغفار

اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ ''چنانچہ میں نے کہا: تم اپنے



رب سے استغفار کرو۔ بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمھیں مال اور بیٹوں سے بڑھائے گا اور تمھارے لیے باغ پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا۔'' (نوح 71:10-12)

⑩ ذکر الٰہی

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ ''اور جس نے میری یاد سے اعراض کیا تو بلاشبہ اس کے لیے گزران تنگ ہوگا اور روز قیامت ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔'' (طٰہٰ 124:20)

⑪ شریعتِ اسلامیہ پر عمل

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اگر یقیناً وہ تورات اور انجیل اور اپنے رب کی طرف سے نازل کی گئی (دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتے تو وہ اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے سے (وافر رزق) کھاتے۔ ان میں سے ایک گروہ درمیانی راہ چلنے والا ہے اور ان میں سے زیادہ تر لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ برا ہے۔'' (المآئدۃ 66:5)

⑫ دعا

یقیناً نبی کریم ﷺ اپنے اکثر امور میں اللہ تعالیٰ سے برکت طلب کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم شادی کرنے والے شخص کو یہ دعا دیں: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ» ''اللہ تعالیٰ تجھ پر برکت کرے اور تم دونوں کو خیر و بھلائی میں جمع فرمائے۔'' (جامع الترمذی: 1091) اسی طرح آپ ﷺ نے کھانا کھلانے والے کے حق میں ہمیں یہ دُعا سکھلائی ہے: «اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ، وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ» ''اے اللہ! ان کے لیے اس میں برکت فرما جو تو نے ان کو رزق عطا کیا ہے اور ان پر رحم کر۔'' (صحیح مسلم: 2042)

⑬ مال لینے میں حرص اور لالچ نہ کرنا

نبی کریم ﷺ نے سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «يَا حَكِيمُ! إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ» ''اے حکیم! یہ دولت بڑی سرسبز اور بہت ہی شیریں ہے۔ پس جو شخص اسے اپنے دل کو سخی رکھ کر لے (یا بغیر مانگے لے) تو اس کی دولت میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور جو لالچ کے ساتھ لیتا ہے تو اس کی دولت میں برکت نہیں ڈالی جاتی۔ اس کا حال اس شخص جیسا ہوتا ہے جو کھاتا ہے۔ لیکن سیر نہیں ہوتا۔'' (صحیح البخاری: 1472)

⑭ خرید و فروخت میں سچ بولنا

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا» ''خریدنے اور بیچنے والے جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں انھیں اختیار باقی رہتا ہے۔ اب اگر دونوں نے سچائی اختیار کی اور ہر بات صاف صاف بیان اور واضح کر دی تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ہوتی ہے۔ لیکن اگر انھوں نے کوئی بات چھپائی یا جھوٹ بولا تو خرید و فروخت میں سے برکت ختم کر دی جاتی ہے۔'' (صحیح البخاری: 2110)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْحَلِفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِلْبَرَكَةِ» ''قسم کھانے سے سامان تو جلدی بک جاتا ہے لیکن وہ قسم برکت کو ختم کر دیتی ہے۔'' (صحیح البخاری: 2087)

⑮ اول النہار کام کرنا

نبی کریم ﷺ نے دن کے ابتدائی وقت کے متعلق برکت کی دُعا کی ہے۔ سیدنا صخر الغامدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «اللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا» ''اے اللہ میری امت کے لیے اس کی صبح میں برکت عطا فرما۔'' (راوی کہتا ہے): رسول اللہ ﷺ جب کوئی چھوٹا لشکر یا کوئی بڑا لشکر روانہ فرماتے تو ان کو دن کے ابتدائی حصے (صبح کے وقت) روانہ فرماتے تھے۔ صخر ایک تاجر آدمی تھے۔ جب وہ اپنے لڑکوں کو کہیں بھیجتے تو صبح کے وقت بھیجتے جس سے وہ بڑے مال دار بن گئے اور ان کا مال بہت بڑھ گیا۔ (سنن أبي داود: 2606)

⑯ تمام امور میں سنت کی اتباع

تمام امور میں سنت کی اتباع کرنے سے



خیر وبرکت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سرورِ کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے:«اَلْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ فَكُلُوا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهِ» ''برکت کھانے کے درمیان میں اترتی ہے۔ بس تم اس کے کناروں سے کھاؤ اور درمیان سے نہ کھاؤ۔'' (جامع الترمذی: 1805)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں انگلیوں اور رکابی کو چاٹنے اور صاف کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: «إِنَّكُمْ لَاتَدْرُونَ فِي أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ» ''تم نہیں جانتے کہ برکت کس میں ہے۔'' (صحیح مسلم: 2034)

⑰ سورۃ البقرۃ کی تلاوت

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اقْرَءُ وْا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ» ''سورۃ البقرہ پڑھو کیونکہ اس کا پڑھنا باعث برکت ہے اور اسے چھوڑنا حسرت ہے اور باطل یعنی جادوگر لوگ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' (صحیح مسلم: 804)

⑱ سحری کھانا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «تَسَحَّرُو، فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً» ''سحری کھاؤ کیونکہ سحری میں برکت ہوتی ہے۔'' (صحیح البخاري: 1923)

⑲ کھجور کا درخت

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''بعض درخت ایسے ہوتے ہیں جن کی برکت مسلمان کی برکت کی طرح ہوتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میرے خیال کے مطابق آپ کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔'' (صحیح البخاري: 5444)

⑳ گھوڑا پالنا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا: ''گھوڑے کی پیشانی میں برکت بندھی ہوئی ہے۔'' (صحیح البخاري: 2851) اور دوسرے مقام پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت تک کے لیے گھوڑوں کی پیشانی میں خیر بندھی ہوئی ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 2305)

㉑ بکری پالنا

نبی کریم ﷺ نے سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «اتَّخِذِي غَنَماً فَإِنَّ فِيهَا بَرَكَةً» ''تو بکریاں رکھ کیونکہ ان میں برکت ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 2304)

㉒ ایک ساتھ مل کر کھانا

ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے کہا: ''ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''شاید تم جدا جدا اور الگ الگ ہو کر کھاتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''جی ہاں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اکٹھے مل کر کھانا کھایا کرو، اس پر بسم اللہ پڑھا کرو تو تمھارے لیے اس میں برکت ڈال دی جائے گی۔'' (سنن أبي داود: 3764)

㉓ کھانا ٹھنڈا کر کے کھانا

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا جب ثرید پکاتیں تو اسے ڈھانپنے کا حکم دیتیں حتی کہ اس کا جوش و حرارت اور دھواں ختم ہو جاتا اور فرماتیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سُنا ہے: «إِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ» ''ایسا کرنا بڑی برکت کا باعث ہے۔'' (مسند أحمد: 350/6)

㉔ اناج کا ناپ تول

سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «كِيلُوا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُم» ''اپنے غلے کو ناپ لیا کرو اس میں تمھیں برکت ہوگی۔'' (صحیح البخاري: 2128)

㉕ زیتون کا استعمال

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''زیتون کھاؤ کیونکہ یہ بابرکت ہے اور اس کا تیل استعمال کرو کیونکہ یہ ایک بابرکت درخت سے نکلتا ہے۔'' (جامع الترمذی: 1851)

㉖ زم زم کا پانی

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم یہاں کب آئے؟'' میں نے عرض کیا: 30 دن رات سے یہاں ہی پڑا ہوں۔ فرمایا: ''اتنے دنوں سے تم یہاں ہو تو تمھارا کھانا کیا تھا؟'' میں نے عرض کی: میرے کھانے پینے کے لیے زم زم کے پانی کے سوا کوئی چیز نہیں تھی اور اس کے باوجود میں پہلے سے زیادہ موٹا تازہ ہوں، یہاں تک کہ میری بغلوں کی اطراف میں گوشت بھر گیا ہے اور میں اپنے جگر پر بھوک کا



کوئی اثر نہیں پاتا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''زم زم کا پانی برکت والا ہے اور کھانے کا کام بھی دیتا ہے اور بیماری سے شفا کا ذریعہ بھی ہے۔'' (صحیح مسلم:2473، مسند أبی داود الطیالسی:117/1)

㉗ استخارہ کرنا

تمام اہم امور میں استخارہ کرنا خیر و برکت کا باعث ہے اور نبی کریم ﷺ استخارہ کی اسی طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھاتے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: جب کوئی اہم معاملہ تمھارے سامنے ہو تو فرض کے علاوہ دو رکعت پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھو۔ (صحیح البخاري: 1162)

㉘ لوگوں کے آگے دست سوال دراز نہ کرنا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص پر کوئی شدید حاجت اتر آئے اور وہ اپنی اس حاجت کو لوگوں پر ظاہر کرتا پھرے تو یہ زیادہ ممکن ہے کہ اس کی حاجت ہرگز پوری نہیں ہوگی اور جو اپنی حاجت کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرے گا تو اللہ تعالیٰ بہت جلد اسے رزق عطا کرے گا یا جلد موت دے کر اسے ان تمام ضرورتوں سے بے نیاز کر دے گا۔'' (سنن أبی داود: 1645)

㉙ صلہ رحمی

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص روزی میں فراخی یا لمبی عمر چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔'' (صحیح البخاري: 2067)

㉚ کمزوروں پر احسان

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ» ''تم کمزوروں کی (دعاؤں کی) وجہ سے مدد کیے جاتے ہو اور تم (ان کی دعاؤں سے) رزق دیے جاتے ہو۔'' (صحیح البخاري: 2896) یعنی کمزور اور معذور افراد دعا کرتے ہیں تو اخلاص سے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ان کا خشوع و خضوع بہت زیادہ ہوتا ہے۔

㉛ طالب علم پر خرچ کرنا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ کے دور میں دو بھائی تھے۔ ان میں سے ایک رسول کریم ﷺ کے پاس آجاتا تھا اور دوسرا کمائی کرتا تھا۔ چنانچہ کمائی کرنے والا نبی کریم ﷺ سے شکایت کرنے لگا کہ میرا بھائی ایسا ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شاید تم اسی کی وجہ سے رزق دیے جاتے ہو۔'' (جامع الترمذی: 2345)

㉜ بڑوں کی وجہ سے برکت

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''برکت تمھارے بڑوں کے ساتھ ہے۔'' (سلسلہ صحیحہ:1778)

㉝ ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر اہم اور اچھا کام جس کی ابتدا بسم اللہ سے نہ ہو وہ بے برکت اور ناتمام ہی رہتا ہے۔'' (الدر المنثور: 1/1)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تقویٰ

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ انھیں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ جو ان کے مکان میں رہا کرتے تھے، ان کے پاس شطرنج ہے، آپ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہلا بھیجا کہ اگر تم نے یہ کھیل گھر سے باہر نہ نکال پھینکا تو میں تم لوگوں کو اپنے مکان سے نکال دوں گی۔ اور آپ رضی اللہ عنہا نے ان کو بہت برا بھلا کہا۔ (الموطأ للامام مالك: 1837)

وضاحت: بعض لوگ دکان یا مکان وغیرہ کرایہ پر یا عاریۃً دے دیتے ہیں۔ مالکان کو اس سلسلے میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے مکان یا دکان میں کوئی ناجائز و ممنوع کاروبار تو نہیں ہو رہا۔ کیونکہ ناجائز کام ناجائز ہے جو ہر صورت میں منع ہے۔ بصورت دیگر مالکان عنداللہ خود جواب دہ ہوں گے۔

ایسے ناجائز کاموں میں بہت سے کام ہو سکتے ہیں، مثلاً: مسکرات، مخدرات، تمباکو، نسوار، آڈیو، وڈیو، سودی کاروبار، داڑھی مونڈھنے اور غیر اسلامی حجامت بنوانے کے حمام، عورتوں کے بال کاٹنے اور بناؤ سنگھار کے بیوٹی پارلر، حرام کاری اور بدکاری کے اڈے وغیرہ، ناجائز و حرام کاموں میں لاشعوری طور پر معاونت کر کے آپ گناہ میں شریک ہو جائیں گے اور دنیوی فائدے کی خاطر اخروی نقصان کر بیٹھیں گے۔ جو یقیناً بڑے نقصان کا سودا ہے۔

(اقتباس از عفیفہ کائنات رضی اللہ عنہا، ص:210)



غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث

ابوانس

① امت سے خدشات

سیدنا ابوبرزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مِمَّا أَخْشَى عَلَيْكُمْ بَعْدِي بُطُونَكُم، وَفُرُوْجَكُمْ، وَمُضِلَّاتِ الأَهْوَاءِ» ''مجھے اپنے بعد تمھارے پیٹوں (حلال و حرام کی تمیز کے بغیر زیادہ کھانے) تمھاری شرمگاہوں (ناجائز استعمال) اور گمراہ کن خواہشات میں پڑ جانے کا بہت زیادہ خدشہ ہے۔'' کتاب السنة لإبن أبی عاصم، حدیث: 14)

② ہفتے اور اتوار کا روزہ

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر ہفتے اور اتوار کا روزہ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے: «هُمَا يَوْمَا عِيدِ الْمُشْرِكِيْنَ فَأُحِبُّ أَنْ أُخَالِفَهُمْ» ''یہ دونوں مشرکین (یہود و نصاریٰ) کے عید اور خوشی کے دن ہیں، لہٰذا میں ان کی مخالفت کرنے کو پسند کرتا ہوں۔'' (صحیح الترغیب، حدیث: 1041)

③ تمھاری کوئی ضرورت تو نہیں؟

نبی کریم ﷺ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے خادم سے جو باتیں کرتے تھے ان میں سے یہ بھی تھی: «أَلَكَ حَاجَةٌ» ''تمھیں کچھ چاہیے تو نہیں؟'' (صحیح الجامع الصغیر، حدیث: 4836)

④ دین اور عمل کی وجہ سے فضیلت

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ لِأَحَدٍ عَلٰى أَحَدٍ فَضْلٌ إِلَّا بِالدِّينِ، أَوْ عَمَلٍ صَالِحٍ» ''کسی پر کسی کی فضیلت کا باعث محض دین ہے یا پھر نیک عمل۔'' (السلسلة الصحیحة، حدیث: 1038)

⑤ دشمن کے تسلط کا ایک سبب

ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے فرمایا: «وَإِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَا يَزَالُ فِيكُمْ، وَأَنْتُمْ وُلَاتُهُ مَالَمْ تُحْدِثُوا اَحْدَاثًا، فَإِذَا فَعَلْتُمْ، سَلَّطَ عَلَيْكُمْ شِرَارَ خَلْقِهِ، فَيَلْحَتُوكُمْ كَمَا يُلْحَتُ الْقَضِيبُ» ''یقیناً یہ (خلافت کا) معاملہ ہمیشہ تمھارے ہاتھ میں رہے گا اور تم ہی اس کے نگران رہو گے جب تک تم نے نئی نئی چیزیں (دین میں) داخل نہ کرلیں اور جب تم نے ایسا کیا تو تم پر برے لوگ مسلط ہو جائیں گے پھر وہ تمھیں ایسے چھیل کر رکھ دیں گے جیسے گنے کو چھیلا جاتا ہے۔'' (کتاب السنة لإبن أبی عاصم، حدیث: 1119)

⑥ اللہ مقروض کے ساتھ ہے

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اپنے اکاؤنٹنٹ سے کہا کرتے تھے: جاؤ اور میرے لیے قرض لے کر آؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ قرض ادا ہونے تک مقروض کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ قرض اللہ کے ناپسندیدہ کاموں کے لیے نہ ہو۔'' میں نے جب سے آپ ﷺ سے یہ فرمان سنا ہے تب سے میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی معیت کے بغیر ایک رات بھی گزاروں۔ (السلسلة الصحیحة، حدیث: 1000)



ہمسایہ ممالک کی پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیاں

ابو ولید ملک

6 فروری 2014ء کو پڑوسی ملک کے سیکورٹی زون سے 5 سیکورٹی اہلکاروں کے اغوا کے فوراً بعد اس ملک کے میڈیا کی توپوں کا رخ اچانک پاکستان کی طرف ہو گیا۔ تب اس ملک کے انتہائی ذمہ داروں کی طرف سے نہ ختم ہونے والا شرمناک الزامات کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ اس اغوا میں پاکستان کی بعض دہشت گرد تنظیمیں ملوث ہیں، اور دنیا کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی گئی کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان تنظیموں کو حکومت پاکستان کی سپورٹ حاصل تھی۔ اسی آڑ میں کبھی پاکستان کو دھمکیاں دی گئیں تو کبھی پاکستان کے اندر Surgical Strike کا عندیہ دیا گیا۔ مختصراً جس کے منہ میں جو آیا وہ کہتا رہا۔ جس کی وجہ سے پاکستان اور پاکستان سے باہر ہمارے دوست ممالک دم بخود رہ گئے کہ یہ کیا ماجرا ہو گیا ہے جس سے ایران اور پاکستان کے تعلقات سخت تناؤ کا شکار ہو گئے ہیں۔ لیکن افسوس! کسی نے اصل حقائق تک پہنچنے کی کوشش نہ کی۔ آفرین ہے ہماری وزارتِ خارجہ اور سیکورٹی اداروں پر کہ انھوں نے بروقت اعلیٰ حکمتِ عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی جس سے اسلام دشمن طاقتوں کی یہ گھناؤنی سازش اپنی موت آپ مرگئی لیکن افسوس کہ پڑوسی ملک کی جانب سے الزامات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یہی وہ محرکات تھے جنھوں نے راقم کو اس سلسلے میں حقیقت تک پہنچنے کے لیے اکسایا تاکہ اسلام و پاکستان سے محبت کرنے والوں کو حقائق سے آگاہ کیا جا سکے۔

مگر سب سے افسوس ناک امر یہ تھا کہ یہ دھمکیاں اس وقت دی گئیں، جب دنیائے اسلام کے مقدس ترین مقامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے نائب خادم الحرمین ومعزز مہمان شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز مملکتِ اسلامیہ پاکستان کا دورہ کر رہے تھے۔ انتہائی معزز مہمان کی موجودگی میں ایک جانب یہ تمام شرانگیز الزامات و دھمکیاں سفارتی آداب کی کھلم کھلا خلاف ورزی تھیں، تو دوسری جانب پڑوسی ملک کی جانب سے یہ اخلاقیات کی گراوٹ کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ کوئی چاہے تو اسے میرا تعصب بھی کہہ سکتا ہے لیکن اس پروپیگنڈے کی آڑ میں سچائی کو نہیں چھپایا جا سکتا۔

حالانکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جیش العدل مکمل طور پر ایرانی اہلِ سنت کی تنظیم ہے۔ جس کا قیام ایرانی صوبے سیستان بلوچستان میں 2012ء میں عمل میں آیا تھا۔ جس کا پاکستان یا پاکستان کے سیکورٹی اداروں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ درحقیقت پچھلے 35 سالوں سے جب سے ایران میں ایک مذہبی طبقے نے اقتدار حاصل کیا ہے، تب سے اہل سنت کے بنیادی، انسانی و مذہبی حقوق کو سختی کے ساتھ پامال کیا جا رہا ہے، آخرکار جیش العدل اپنی شخصی آزادی اور مذہبی حقوق نہ ملنے کی وجہ سے یہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایران میں ملعون یہودی جو ایران کی ٹوٹل آبادی کا ایک فیصد بھی نہیں مگر ان کے 3 ممبر آف پارلیمنٹ بن سکتے ہیں۔ لیکن اہل سنت جو ایران کی آبادی کا 20% ہیں ان کا ممبر



آف پارلیمنٹ بننا تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایران کے 31 صوبوں میں سب سے زیادہ پس ماندہ یہی صوبہ سیستان ہے جہاں 20 لاکھ سے زائد اہل سنت بستے ہیں۔ دنیا میں بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ پاکستان کی طرح ایران میں بھی ایک صوبہ سیستان بلوچستان کے نام پر موجود ہے، جو پاکستان کے صوبہ بلوچستان سے ملحقہ ہے۔ لیکن بڑے دکھ کے ساتھ عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ جب بھی ایرانی سیستان صوبہ میں کوئی بھی دہشت گردی کی واردات ہوتی ہے تو پڑوسی ملک کا میڈیا اس کو پاکستان سے نتھی کر دیتا ہے کہ دنیا میں کچھ اس قسم کا تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس واردات میں پاکستانی گروپس ملوث ہیں۔ ایرانی جیش العدل کے چیف عبدالرؤف سے جب میڈیا نے سوال کیا کہ آپ کا پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہمارا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہم حیران ہیں کہ ہمارے ملک (ایران) کا میڈیا ہمیں زبردستی پاکستانی شہری بنانے پر تلا ہوا ہے۔ بلکہ ہماری ہمدردیاں پاکستانی بلوچستان کے ان علیحدگی پسندوں کے ساتھ ہیں جو اپنے حقوق کے حصول کے لیے ہتھیار اٹھا کر حکومت پاکستان کے خلاف لڑ رہے ہیں، کیونکہ وہ بھی ہماری طرح مظلوم ہیں۔ یہاں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جیش العدل ہمارے ملک کے بارے میں کتنے منفی خیالات رکھتی ہے۔ اسلام آباد میں وزارتِ خارجہ کے ایک ذریعے نے دعویٰ کیا ہے کہ جب سے ایران کے امریکہ کے ساتھ تعلقات ٹھیک ہوئے ہیں ایران کی جانب سے پاکستان کو دھمکیاں دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ تلخ حقائق تو یہ ہیں کہ پاکستان کی طرف سے بار بار مطالبہ کرنے کے باوجود ایران نے کبھی بھی مغوی اہلکاروں کے حوالے سے سیکورٹی ثبوت فراہم نہیں کیے کہ کیا اغوا کار پاکستانی ہیں اور کس علاقے میں چھپے ہوئے ہیں؟ اور تو اور دفتر خارجہ کی ترجمان تسنیم اسلم نے 9 اپریل کو کہا ہے کہ ایرانی اہلکاروں کو کبھی بھی پاکستان منتقل نہیں کیا گیا۔ اس حوالے سے ایرانی الزام تراشی بے بنیاد ہے، حالانکہ ایرانی حکومت جانتی تھی کہ مغوی اہلکار ایران میں ہی کسی جگہ پر قید ہیں۔ آخر کار کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے اور پوری دنیا نے دیکھا کہ 16 اپریل کو ایرانی مغوی اہلکار، ایرانی حکومت اور ایرانی سنی علماء کے درمیان ہونے والے مذاکرات کے بعد رہا کیے گئے۔ اور پھر ان مغویوں کو ایرانی سرحدوں، جو افغانستان سے ملتی ہیں، سے بازیاب کرایا گیا۔ جھوٹ آخر جھوٹ ہوتا ہے ایک دن ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ یہ سب کچھ پاکستان اور سعودیہ کو بدنام کرنے کے لیے ڈرامہ رچایا گیا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ جیش العدل نے ان فوجیوں کی رہائی کے لیے بشار کی علوی فورسز اور ایرانی فورسز کی تحویل میں 300 اہل سنت مسلمان خواتین کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔ جس سے ایران بین الاقوامی سفارتی سطح پر ہل کر رہ گیا تھا اور پوری دنیا میں بدنامی سے بچنے کے لیے جیش العدل کی آڑ میں پاکستان کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کی۔

اپریل 2014ء میں امریکی تجزیہ نگار کیرن بیرٹ نے ایرانی پریس ٹی وی کو کہا کہ سعودی عرب نے 9\11 کے دھماکوں میں مالی معاونت کی تھی جبکہ اس سے قبل سابق امریکی سینیٹر بوب گراہم نے بھی سعودی حکومت کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس وقت سے پڑوسی ملک اور صہیونی میڈیا مل کر سعودی حکومت کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہے ہیں۔ دراصل ایران اس آڑ میں ان تمام واقعات کو سعودیہ سے نتھی کرنا چاہتا ہے اور دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ ایران کے اندر موجودہ حالات میں ہونے والی دہشت گردی کے واقعات پاکستان اور سعودیہ کے بڑھتے ہوئے تعلقات کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں گزشتہ ماہ نئی دہلی میں CIA کی سرپرستی میں ہونے والے اجلاس، جس میں اسرائیل کی ''Mossad'' افغانستان کی ''Khad'' ایران کی ''Vevak'' اور انڈیا کی ''Raw'' نے بھرپور شرکت کی تھی، کا ایجنڈہ تھا کہ دنیا بھر میں پاکستان و سعودیہ کو بطور دہشت گرد ممالک بدنام کیا جائے اور یہ باور کروایا جائے کہ دنیا بھر میں جتنی بھی دہشت گردی ہو رہی ہے ان کے پیچھے انھی دو ملکوں کا ہاتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اجلاس کے فوراً بعد ایران و افغانستان میں پاکستان کے خلاف حکومتی ایما پر جلوس نکالے گئے۔ کیونکہ ایران اور اس کے حلیفوں کو پاکستان اور سعودیہ کے بڑھتے ہوئے تعلقات سے خاصی بے چینی ہو رہی تھی۔ کیا کہتے ہیں کہ ''چور کی داڑھی میں تنکا'' ایران خود ساختہ طور پر یہ سمجھ رہا ہے کہ



کہیں سعودیہ، پاکستانی سیکورٹی اداروں کو شام میں ملوث کر کے ولایت شیعہ کی جنگ کو ناکامی سے دور چار نہ کر دے۔ اسی طرح ANN نے بھی اپنی رپورٹ میں انکشاف کیا تھا کہ خطے میں تبدیل ہوتی ہوئی صورتِ حال اور افغانستان سے امریکی فوج کے انخلاء کے حوالے سے پاکستان کی سلامتی کے اداروں کے پاس پہلے سے مصدقہ اطلاعات ہیں کہ بھارت، افغانستان، اسرائیل اور ایران پاکستان اور اس کی سلامتی کے ذمہ داروں کو بدنام کرنے کے لیے سرگرم ہو چکے ہیں۔

باخبر ذرائع کے مطابق ترکی میں ہونے والے بینک سیکنڈل میں گرفتار ہونے والے بینک کے سربراہ نے گرفتاری کے بعد انکشاف کیا تھا کہ اس بینک کے ذریعے امریکہ اور دیگر یورپی ممالک نے جمہوریت کے نام پر سعودی عرب میں شیعہ اکثریتی علاقوں میں رقوم بھجوائی تھیں۔ جس سے سعودیہ کے اندر جمہوریت کے لیے مظاہرے کرائے جائیں گے۔ جس کو عرب بہاریہ کا نام دیا جائے گا۔ جس طرح بحرین کو ایران 2011ء سے جمہوریت کے نام سے عدمِ استحکام کا شکار کر رہا ہے۔ حالانکہ پوری دنیا جانتی ہے کہ بحرین میں اس شورش سے قبل دنیائے عرب میں بحرین میں مقیم مقامی اہل تشیع سب سے زیادہ آسودہ حال اور ہر قسم کی شخصی و مذہبی عبادات و رسوم کے لحاظ سے مکمل آزاد و خود مختار تھے اور ہنوز ہیں۔ یہ تمام تر تفصیلات موجودہ ترک حکومت نے سعودی حکومت کو اس وقت دی تھیں جب ترکی میں ایک بینک فراڈ کا پتہ چلا تھا جس میں براہ راست امریکی نژاد ایرانی ملوث تھے۔ درحقیقت ایران شام کی جنگ میں براہِ راست ملوث ہے جو کہ نہتے اور بے گناہ عوام کے خلاف لڑی جا رہی ہے جس کی وجہ سے اس کی معیشت Economy انتہائی تیزی کے ساتھ زوال کا شکار ہے اور اس وقت ایران میں افراطِ زر کی شرح 35% فیصد ہے جو کسی بھی اسلامی ملک کی سب سے بڑی بے روزگاری ہے۔ اسی وجہ سے ایران کو پانچ بڑی طاقتوں کے ساتھ جوہری معاہدہ کرنا پڑا۔ ایران کو پہلے روس اور اب امریکہ و یورپی یونین کی حالتِ زار سے سبق سیکھنا چاہیے تھا کہ خود ساختہ اور خود مول لی ہوئی جنگوں کا سوائے تباہی و بربادی کے اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ جس سے ملک ماضی کی تاریخ کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت پاکستان میں کئی ممالک کی خفیہ ایجنسیاں خطے میں اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور ان کی پوری کوشش ہے کہ کسی طرح پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کیا جائے اور ایک دفعہ پھر مملکتِ پاکستان، جو لا الٰہ الا اللہ کے نام پر معرضِ وجود میں آئی، کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جس کے لیے پاکستان کے خلاف آخری راؤنڈ کی تیاری شروع کر دی گئی ہے۔ اسی سلسلے کی کڑی کے طور پر 9 اپریل 2014ء کو دہلی میں نئی دہلی پالیسی گروپ میں دو تجزیاتی رپورٹ کا افتتاح کرتے ہوئے سیکرٹری خارجہ سجاتا سنگھ نے کہا کہ بھارت افغانستان میں ایک طویل عرصے تک قیام کرنے کی منصوبہ بندی کر چکا ہے۔ بھارت کی وہاں سے نکلنے کی کوئی سٹرٹیجی نہیں ہے۔ اس موقع پر افغانستان کے سارے پڑوسیوں کے سفیر موجود تھے جنھوں نے اس پالیسی کی حمایت کی تھی۔ راقم کی رائے میں مملکتِ اسلامیہ پاکستان کے خلاف شروع کیے گئے اس آخری راؤنڈ کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا کہ اس خونی راؤنڈ کا پھیلاؤ اور شدت کتنی ہوگی؟ لیکن ایک بات طے شدہ ہے کہ: ① پاک سیکورٹی ادارے ② کشمیری جہادی قیادتوں کا خاتمہ ③ ایٹمی اثاثہ جات اور پاکستان کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا صہیونیوں اور ان کے گماشتوں کی ترجیحات میں شامل ہیں۔ جس کی ابتدا پاک سیکورٹی اداروں اور ان کے سربراہوں کی کردار کشی سے کر دیا گیا ہے۔ راقم نے 12 اپریل کو اسلام آباد میں ایک بہت بڑے غیر سرکاری تھنک ٹینک سے کہا تھا کہ امریکہ افغانستان میں عبداللہ عبداللہ اور انڈیا میں مودی کو لائے گا، کیونکہ مملکتِ اسلامیہ پاکستان کے خلاف آخری راؤنڈ میں دنیائے کفر و یہود کوئی بھی رسک لینے کی پوزیشن میں نہیں ہے..... شاید وہ بھول چکے ہیں کہ مملکتِ اسلامیہ پاکستان کا وجود محض ایک ملک کا وجود نہیں بلکہ ایک ملت کا وجود ہے، جس کی اساس اسلام ہے۔ جس کو مٹانا ان کے بس کی بات نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مملکتِ اسلامیہ پاکستان کی حفاظت فرمائے اور ہمارے حکمرانوں کو ہوش کے ناخن لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

❁.....❁.....❁



فیصل علوی، ریاض

سائنس وٹیکنالوجی سے دوری امہ کے زوال کی بڑی وجہ

اسلامی ممالک میں ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹس کھولنا اور باہمی تجارت کو فروغ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے

مسلم امہ کے زوال اور پسماندگی کی ایک بڑی وجہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے دوری اور ریسرچ کا نہ ہونا ہے۔ اگر آپ عروج و زوال کی داستانیں پڑھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے مضبوط ایمان و اخلاقیات کے ساتھ ساتھ اس دور کی ایجادات میں نمایاں کردار ادا کیا بلکہ دوسری قوموں کی رہبری کا فریضہ سرانجام دیا۔ تمام اسلامی ممالک میں ایک جدید تحقیقی ادارہ بنایا جائے جس میں تمام دنیا سے بہترین سائنٹسٹ کا کام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے اور ہر مسلم ملک کی مختلف امور پر تحقیق ہو۔ ان ریسرچ سنٹرز کا آپس میں مسلسل رابطہ ہو اور مشترکہ ماہانہ میگزین شائع ہو جن میں جدید تحقیقی ریسرچ پر مضامین شائع کیے جائیں، سالانہ عالمی ریسرچ کانفرنس منعقد کی جائے جس میں تبادلۂ خیال کا موقع ملے گا اور آپس میں ہم آہنگی پیدا ہوگی۔ چند بنیادی کاموں میں سے یہ ایک اہم کام ہے جس سے مسلم امہ اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرسکتی ہے۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ مسلمانوں میں صحت مند زندگی گزارنے کے لیے آگہی مہم چلائی جائے۔ ان میں شعور بیدار کیا جائے کہ صحت مند زندگی گزارنے کے لیے بنیادی اصولوں اور نقاط کی ضرورت ہے۔ ہسپتال بنانے اور مریضوں کا علاج کرنے اور دوائیوں پر تو ہر سال اربوں خرچ ہوتے ہیں لیکن اگر تحقیق کے ذریعے لوگوں کو بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس عظیم نعمت کی کس طریقے سے آپ حفاظت کرسکتے ہیں۔ ان میں شعور بیدار کیا جائے کہ آپ کی صحت ہی خوشیوں کی کنجی ہے۔ اگر گھر میں ایک شخص بیمار ہوتا ہے تو تمام گھر والوں کی خوشیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ مسلم امہ کی صحت کے متعلق آگاہی مہم چلانے کی بھی ضرورت ہے۔

تیسری تجویز تمام مسائل کے حل کی کنجی تعلیم سے متعلق ہے۔ گزشتہ ہفتہ غالباً اردو نیوز ہی کی رپورٹ پڑھنے کا اتفاق ہوا کہ مسلم امہ میں 40 فیصد افراد ناخواندہ ہیں۔ یعنی 40 فیصد افراد ایسے ہیں جن کو اپنے دستخط تک کرنے نہیں آتے۔ تعلیم سے متعلق حالات دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے اور جو تعلیم حاصل کررہے ہیں ان کا معیار کیا ہے۔ ان امور پر فوری توجہ کی ضرورت ہے۔

چوتھی تجویز فرقہ واریت کا خاتمہ اور اتحاد بین المسلمین کے متعلق ہے کہ مسلمانوں میں فرقہ واریت کینسر کی طرح سرایت کرچکا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کا رواج عام ہوچکا ہے۔ اس کے خاتمہ میں علمائے کرام اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ ان کے لیے باقاعدہ ایک کورس کا اہتمام کیا جائے اور مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں میں تکفیری خیالات جس تیزی سے سرایت کررہے ہیں ان کا سدّباب بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

پانچویں تجویز معیشت کے متعلق ہے، مسلم ممالک آپس میں ایک دوسرے کی امداد کی بجائے آپس میں زیادہ سے زیادہ تجارت کو فروغ دیں۔ جن ممالک میں افرادی قوت کی ضرورت ہے وہاں فراہم کی جائے۔ جن کے ہاں تکنیکی کمی ہے ان ممالک میں وہ افراد مہیا کیے جائیں اور اسلامی ممالک میں ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کھولے جائیں جن میں مختلف فنون کو جاننے والے افراد تیار ہوں اور باہمی تجارت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔



دینی مدارس اور امت کی ذمہ داریاں

(ایک فکر انگیز تحریر)

حافظ محمد حق نواز

مدارس کی ضرورت واہمیت

دین اسلام میں علم کی بہت زیادہ اہمیت بیان ہوئی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کے درجات بلند فرمائے گا اسی طرح اہل ایمان میں سے اہل علم کے درجے بھی بلند فرمائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ تم میں سے جو ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا ان کے درجے بلند کرے گا۔'' (المجادلة 11:58) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''علم طلب کرنا ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 224) یعنی دینی علوم، احکام شریعت اور حلال وحرام کی تمیز سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ علم کے بغیر عمل نہیں ہوسکتا۔ صرف اسلامی معاشرے اور مسلم والدین کے گھر پیدا ہونے سے بندہ مسلمان نہیں بن جاتا بلکہ اس کے لیے قرآن وسنت پر مبنی تعلیمات سیکھنا بھی لازم ہے۔ علم سیکھنے کے بعد اس پر عمل کی باری آتی ہے۔ لہٰذا کلمۂ شہادت کے مکمل معنی ومفہوم سیکھنے کے بعد اس کا زبانی اقرار اور اعضاء و جوارح کے ساتھ اس کو عملی جامہ پہنانے والا ہی مسلمان کہلاسکتا ہے۔ اور یاد رکھیں! انسان کو دینی علوم کا فہم اور بصیرت کا حاصل ہوجانا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق خاص ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرلیتا ہے اسے دین کا فہم عطا کردیتا ہے۔'' (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب: العلم قبل القول والعمل)

دینی علوم سیکھنا سکھانا اور درس و تدریس مدارس سے وابستہ ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دینی مدارس علوم دینیہ کے مراکز اور منبع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معاشرے میں جس قدر دینی مدارس زیادہ ہوں گے، مدارس کی انتظامیہ اور اساتذہ جس قدر محنت، خلوص اور لگن کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلبائے دین کی آبیاری کریں گے اسی قدر لوگ اسلام اور اس کی تعلیمات سے متعارف ہوں گے۔ لہٰذا دینی مدارس اسلام اور مسلمانوں کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے دینی مدارس اور ان سے وابستہ حضرات انتظامیہ، اساتذہ اور طلباء سب کا مخلص ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' (صحيح البخاري:1)

مدارس کی اس اہمیت کے پیش نظر آج ہم جائزہ لیں گے کہ اس قدر اہمیت کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت کن وجوہات کی بنا پر اپنے بچوں کو مدارس میں داخل کروانا پسند نہیں کرتی۔ لہٰذا مدارس کی انتظامیہ اور دینی علوم کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کرنے والے اہل علم کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ ایسی کون سی وجوہات ہیں جن کی بنا پر معاشرے میں دینی مدارس کی طرف لوگوں کا رجحان کم ہوتا جارہا ہے۔

دینی مدارس سے دوری کی وجوہات

ہمارے معاشرے میں دن بدن لوگوں کا رجحان انگلش میڈیم سکولوں اور دنیاوی علوم کی طرف بڑھ رہا ہے جبکہ دینی علوم کے حصول کی رغبت کم ہوتی جارہی ہے۔ اس میں بنیادی کردار ادا کرنے والے اسباب اور وجوہات میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں:

① مدارس اور علماء کے خلاف میڈیا کی یلغار

پچھلے کئی سالوں سے اسلام دشمن عناصر اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے اسلامی ممالک میں باقاعدہ سرمایہ کاری کررہے ہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اسلامی مراکز کو ہدف تنقید بنایا جارہا ہے۔ معاشرے کی رگوں میں مخصوص فلسفے کے ذریعے علماء و مدارس کے خلاف زہر بھرا جارہا ہے۔ یاد رکھیے! جب جھوٹ کا تکرار اپنی حدود سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی سامعین کو سچ لگنے لگتا ہے۔ ہمارا میڈیا بھی کچھ ایسا ہی کردار ادا کررہا ہے۔ غیروں کی سوچ اپنے معاشرے میں منتقل کی جارہی ہے۔ مغرب زدہ میڈیا سے متاثر ہوکر ہمارا معاشرہ علماء، مدارس اور دینی علوم سے انحراف کا شکار ہوتا جارہا ہے۔ جس بنا پر وہ اپنے بچوں کو مدارس میں داخل کروانا پسند ہی نہیں کرتے کہ معاشرہ مولوی صاحب سے جو سلوک کررہا ہے مدرسہ سے فراغت کے بعد ہمارے بچے کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوگا۔

② علماء و مدرسین کی خدمات اور معاوضہ

مدارس اور علمائے کرام نے علم کی روشنی کو پھیلانے اور جہالت کی تاریکی کو دور کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ مدارس اور علمائے کرام کی خدمات کے نتیجے ہی میں شرح خواندگی میں اضافہ ہوا ہے۔ اردو زبان کو تقویت اور ترقی نصیب ہوئی۔ معاشرے کی اصلاح اور دینی ضروریات کی تکمیل کے لیے معلم، فقیہ، مفتی، قاضی، محدث، مفسّر، مبلّغ، مصنف اور قرآن کے حافظ و قاری پیدا ہوئے۔ انھی مدارس اور علمائے کرام نے نادار اور بے سہارا بچوں کی نہ صرف کفالت کی بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ ان تمام خدمات کا اعتراف کرنے کے باوجود معاشرہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے یہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہے۔ دینی خدمات سرانجام دینے والے علماء و مدرسین کھانے پینے، سونے اور نمازوں کے اوقات کے سوا سارا وقت دعوت و تبلیغ، درس و تدریس، طلباء کی تربیت اور مطالعہ و افتاء اور تحقیق میں گزار دیتے ہیں۔ معاوضے میں انھیں جو تنخواہ ملتی ہے اس رقم پر ماہوار تنخواہ کا لفظ بول کر لفظ تنخواہ کی بھی گویا توہین کی جاتی ہے، یعنی عموماً پچیس سو سے لے کر چھ ہزار تک قاری، امام یا خطیب کی تنخواہ ہوتی ہے جبکہ مدرس کو- /4000 روپے سے لے کر آٹھ ہزار تک تنخواہ ملتی ہے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ رقم موجودہ مہنگائی کے مقابلے میں اکیلے آدمی کے لیے بھی ناکافی ہے چہ جائیکہ وہ اس رقم سے اہل وعیال کے اخراجات بھی پورے کرے۔

بڑے بڑے اساتذہ اور شیوخ الحدیث، جنھوں نے اس دین کی خدمت میں اپنی زندگیاں صرف کردی ہیں، ان کی تنخواہیں بھی پندرہ سولہ ہزار سے زائد نہیں اور وہ بھی چند ایک مایہ ناز مدارس ہی ہیں جو اتنا بڑا معاوضہ دے رہے ہیں ورنہ دس بارہ ہزار سے زائد کسی شیخ الحدیث کو بھی تنخواہ نہیں ملتی۔ اس صورت میں آپ خود سوچیں کہ مہنگائی کے اس دور میں اپنے بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کے لیے تعلیمی اخراجات تو بہت دور کی بات ہے وہ گھریلو اخراجات کیسے پورے کرتے ہوں گے۔

مزید غور وفکر کے لیے اخراجات کا مختصر خاکہ ذیل میں دیا جارہا ہے جس میں مختصر فیملی (والدین، بیوی اور 2 بچوں) کے اخراجات ملاحظہ فرمائیں: ① تین اوقات کا نارمل کھانا (-/12000 ہزار روپے) ② اوسطاً ماہانہ میڈیکل اخراجات (-/1500 روپے) ③ رہائش، مکان کا کرایہ (-/6000 روپے) ④ بجلی کا بل (-/2000 روپے) ⑤ گیس کا بل (-/500 روپے) ⑥ دودھ کا بل (-/3000 روپے) ⑦ موبائل کا بل (-/500 روپے) ⑧ لوکل ٹرانسپورٹ (-/1500 روپے) ⑨ 2 بچوں کے تعلیمی اخراجات (-/5000 روپے) ⑩ مہمان یا دیگر پرچون اخراجات (-/3000 روپے) جبکہ جوتوں، کپڑوں اور خوشی وغمی کے مواقع پر ہونے والے اخراجات اس کے علاوہ ہیں۔

مہنگائی کے اس دور میں ایک مختصر فیملی کے ضروری اخراجات کا مذکورہ چارٹ آپ کے سامنے ہے جس کا ٹوٹل تقریباً 35,000/- روپے بنتا ہے۔ جس کا واضح مطلب ہے کہ اگر آپ کسی مدرس یا قاری و امام کو آٹھ دس ہزار روپے دیں گے تو وہ صرف اس کا اپنا ذاتی خرچہ ہوگا باقی جن کا وہ کفیل ہے جن کے اخراجات پورے

کرنا اس پر فرض ہے ان کا کیا بنے گا؟

③ سہولیات کا فقدان

مدارس کے اساتذہ جو کہ انتہائی خلوص کے ساتھ قناعت والی زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں، انتظامیہ سمیت کئی دیگر لوگوں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بھی بنتے ہیں اور ان کی گستاخی، یعنی حق بات بیان کرنے کے ''جرم'' میں ملازمت سے فراغت کا خوف بھی ان کے ذہن پر سوار رہتا ہے۔ یہ سب کچھ برداشت کرنے کے باوجود اہل علم انبیاء کے دعوتی مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ اسلامی معاشرہ انھیں سہولیات مہیا کرنے سے قاصر ہے۔ علماء و مدرسین کے گھر جانے سے طلباء کی پڑھائی کا نقصان ہوتا ہے۔ مدرسین کا سفر خواہ کتنا لمبا ہو بمشکل ماہانہ ایک چھٹی ملتی ہے۔ بعض مدارس میں تو ان کے لیے استحقاقی یا ایمرجنسی چھٹی کا تصور تک نہیں ہے۔ معمولی تنخواہ کے ساتھ نہ تو انھیں کوئی میڈیکل الاؤنس دیا جاتا ہے اور نہ فیملی رہائش کی سہولت۔ اگر کہیں کوئی مدرسہ اپنے اساتذہ کو فیملی رہائش دے رہا ہے تو وہ اساتذہ اور انتظامیہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اس طرح ان کے ماہانہ اخراجات میں کچھ نہ کچھ کمی تو واقع ہوتی ہے۔

④ مدارس کے اساتذہ اور سرکاری ٹیچرز کا موازنہ

مدارس کے اساتذہ الحمدللہ اگر صحیح معنوں میں تعلیم مکمل کر کے تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہوں تو وہ اپنے موضوع پر سرکاری سکولوں، کالجوں میں بطور لیکچرر متعین کیے جانے والوں کے مقابلے میں زیادہ علمی استعداد کے حامل ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود مدرسہ کے استاد اور سرکاری ٹیچر کے تدریسی دورانیے اور معاوضے میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

سکولوں میں تدریسی دورانیہ مدارس کے مقابلے میں خاصا کم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گرمیوں، سردیوں کی طویل چھٹیوں اور ایمرجنسی و استحقاقی چھٹیوں کی سہولت بھی میسر ہوتی ہے۔ معقول تنخواہ، میڈیکل اور رہائش کی سہولیات الگ سے میسر ہوتی ہیں۔ ورنہ الاؤنسز کی صورت میں ان کا معقول معاوضہ ہمراہ تنخواہ مل جاتا ہے۔ سالانہ ترقی اور تنخواہ میں معقول اضافہ بھی ملتا ہے۔ ریٹائرمنٹ پر گریجوایٹی + جی پی فنڈ لاکھوں میں مل جاتا ہے جس سے تعمیر مکان، بچوں کی شادیاں اور کاروبار وغیرہ میں سے کوئی بھی کام بخوبی انجام پا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر ماہانہ معقول پنشن بھی ملتی رہتی ہے جس سے بڑھاپے میں بھی اسے بہترین سہارا نصیب ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا سرکاری اداروں سے فارغ ہونے والوں کی گورنمنٹ قدر کر رہی ہے۔ جبکہ دینی ادارے اپنے فضلاء کو بے سہارا فارغ کر دیتے ہیں۔ مدارس میں موجودہ طریقے سے پڑھنے کے بعد علمائے کرام محنت مشقت کے بھی قابل نہیں رہتے اور جن کاموں کی انھیں تربیت ملتی ہے، یعنی، تبلیغ، تدریس، امامت وغیرہ ان کے بدلے انھیں اس قدر حوصلہ افزائی نہیں ملتی کہ وہ اپنے گھریلو اخراجات پورے کر سکیں۔ نتیجتاً وہ معاشرے میں کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسی معاشی پسماندگی کی وجہ سے معاشرے کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔ اس کا بہت بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن و سنت یعنی حق سچ بیان کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں بعض علماء کو دینی علوم کے ساتھ دنیاوی علوم پر بھی دسترس حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ سرکاری تعلیمی اداروں میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وہ ماشاء اللہ معاشی طور پر مستحکم ہو جاتے ہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ معاشی طور پر مستحکم علماء دعوت و تبلیغ، درس و تدریس اور کتاب و سنت کی اشاعت کے ہر میدان میں بلاخوف و خطر بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایسے علماء معاشرے میں بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ علماء کی معاشی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے معقول معاوضہ مقرر کریں تاکہ وہ دین کا کام خوش دلی اور بے مثال طریقے سے انجام دے سکیں۔

⑤ مدارس کے اساتذہ کے ساتھ انتظامیہ کا رویہ

یہ بات ہم سب کے علم میں ہے کہ ہر میدان میں لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ اسی اصول اور ضابطے کے مطابق بعض مدارس کی انتظامیہ کے اندر کچھ ایسی شخصیات بھی ہوتی ہیں جنھیں حکمت و بصیرت کا علم ہی نہیں ہوتا۔ وہ طلباء کے سامنے اساتذہ کے ساتھ توہین آمیز رویہ اپناتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلباء کے دل میں استاد کی قدر اور احترام میں کمی آجاتی ہے۔ بعد ازاں طلباء اس کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے

چہ جائیکہ اس کی بات پر عمل کریں تو یوں مدرسہ کے بگاڑ میں انتظامیہ بھرپور کردار ادا کرتی ہے۔

بعض مدارس کی انتظامیہ (صاحب ثروت لوگوں) کی طرف سے درس وتدریس سے وابستہ افراد کے ساتھ انتہائی نامناسب رویہ اپنایا جاتا ہے۔ بعض اوقات تو استاذ الاساتذہ کا بھی احترام مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ ایک معروف مدرسہ میں تیس سال تک صحیح بخاری پڑھانے والے شیخ الحدیث کی خدمات کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا۔ بعض انتظامی معاملات میں اختلاف رائے کی بنا پر انھیں ایسے فارغ کر دیا گیا جیسے آٹے میں سے بال نکال دیا گیا ہو اور اس طرح مستقبل میں پیدا ہونے والے بہت بڑے علمی خلا کو بھی نظر انداز کر دیا گیا۔ بزرگ اساتذہ کے ساتھ ایسا رویہ اپنایا گیا جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ایک لمبا عرصہ گزرنے کے باوجود تاحال اس مدرسے میں وہ رونق دوبارہ نہیں آسکی۔

مدارس کے اساتذہ انتظامیہ کی طرف سے لگائی گئی بہت سی ناروا پابندیوں میں ایسے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ گویا وہ انتظامیہ کے قیدی ہیں۔ سہولیات کی باری آتی ہے تو ادارے کا بجٹ کم یا ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ فیملی رہائش کی سہولت نہ میڈیکل کی سہولت بلکہ بیماری یا کسی مجبوری (مثلاً: والدین میں سے کسی ایک کی بیماری یا وفات) کی بنا پر کی جانے والی چھٹی کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ مدرس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے یا بیماری طول پکڑ لے تو اس کی تنخواہ جاری رکھنا تو دور کی بات ہے تدریس سے بھی فارغ کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر دوران تدریس استاد فوت ہو جاتا ہے تو اس عالم کے ورثاء کی حوصلہ افزائی یا معاونت تو درکنار جنازے کے بعد میت والی گاڑی کے ساتھ ہی اس کے بچوں کو الوداع کہہ دیا جاتا ہے۔

⑥ مدارس میں دنیاوی اور فنی تعلیم کا فقدان

اسلامی معاشرے کی اکثریت اپنے بچوں کو اسلامی علوم سے بہرہ ور کروانا چاہتی ہے لیکن غیروں کی شہہ پر کیے جانے والے میڈیا کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ''مولوی اور مدرسہ'' سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے قرآن وسنت کا فہم ضرور رکھتے ہوں لیکن نہ انھیں مولوی کہا جائے اور نہ مدرسے کے ساتھ منسلک ہو کر ہی رہ جائیں، یعنی وہ دینی علوم سیکھنے کے بعد انھیں ذریعۂ معاش نہ بنائیں یعنی پیشہ ور مبلغ، مدرس، امام یا خطیب نہ بنیں بلکہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم یا فنی تعلیم میں خوب مہارت حاصل کر کے انھیں ذریعۂ معاش بنائیں تاکہ نئی نسل میں دین سیکھنے کا رجحان بھی برقرار رہ سکے اور معاشی حالات میں بھی بہتری آسکے۔ کیونکہ اگر وہ دین ہی کو ذریعۂ معاش بنائے گا تو ضرور وہ معاشی بدحالی کا شکار ہوگا جس کے نتیجے میں اگلی نسل دین سے دور صرف دنیاوی علوم کی طرف راغب ہو جائے گی۔ جیسا کہ آج کل اکثر علماء، خطباء اور مدارس کے اساتذہ کی اولاد کا فقط دنیاوی علوم کی طرف رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ وہ خود اپنے آباء کی معاشی بدحالی کا خوب نظارہ کرنے کے بعد دنیاوی علوم کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اسی معاشرے میں انھوں نے زندگی گزارنی ہے جہاں مہنگائی کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ اور اس معاشرے میں دینی علوم اور ان کے حاملین کی بہت ہی کم لوگ قدر کرتے ہیں جبکہ دنیاوی علوم کے حاملین کی سیکھنے سکھانے کے عمل سے لے کر برسرروزگار ہونے تک ہر موڑ پر حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

یہ بات بالکل حقیقت پر مبنی ہے کہ دنیاوی علوم سیکھنے سے دینی علوم کا فہم آسان ہو جاتا ہے اور دینی علوم کو ذریعۂ معاش نہ بنانا ہی بہتر ہے الّا کہ اور کوئی چارہ کار نہ ہو۔ لہٰذا موجودہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ دینی علوم کے مراکز و مدارس میں دنیاوی علوم، فنی علوم، انٹرنیشنل لینگویج، کمپیوٹر وغیرہ میں بھی مہارت تامہ پیدا کی جائے تاکہ وہ دنیاوی علوم کو ذریعۂ معاش بنا کر دینی علوم کی دعوت وتبلیغ اور اشاعت کے دوران بے لوث طریقے سے بغیر کسی خوف اور جھجک کے حق وسچ بیان کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بعض دینی اداروں میں کمپیوٹر لیب اور انگلش ٹیچرز کا برائے نام انتظام بھی کیا گیا ہے۔ بظاہر سب کچھ موجود ہونے کا دعویٰ ہے لیکن عملاً یہ چیزیں دنیاوی علوم میں مہارت تامہ کے حصول کے لیے ناکافی ہیں۔ لہٰذا زبانی دعووں کے ساتھ عملاً بھی دنیاوی تعلیم اور فنی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کیا جائے تاکہ دینی علوم اور مدارس کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھایا جاسکے۔

دینی علوم کی طرف رجحان رکھنے والے لوگ

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح

ہوتی ہے کہ آغاز اسلام سے لے کر آج تک اسلام قبول کرنے والے اور اسلامی تعلیمات کا ذوق وشوق رکھنے والوں کی اکثریت کا تعلق غریب اور متوسط خاندانوں ہی سے ہوتا ہے۔ اگرچہ بعدازاں مالدار لوگوں نے بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع کردیا جن میں سے بہت سے خوش نصیبوں نے اپنے مالوں کے ذریعے غلبۂ اسلام کی تحریک کو تقویت بھی پہنچائی۔ لیکن یاد رکھیں اسلامی علوم کے حصول میں ہمیشہ غریب اور متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے طلبا ہی نے ذوق وشوق کا مظاہرہ کیا ہے۔ مزید یہ کہ قرآن وسنت کی تعلیمات اور اساتذہ کی تربیت ان کو قناعت پسند، صابر اور شاکر بنادیتی ہے۔ اور یہی چیز بنیادی کردار ادا کررہی ہے کہ مدارس میں پھر بھی معقول حد تک بچے ہرسال داخلہ لے رہے ہیں۔ دین کا شوق وذوق رکھنے والے ہمیشہ اخروی فائدے پر نظر رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ دنیا میں ہر قسم کی تنگی برداشت کرلیتے ہیں لیکن اخروی نقصانات برداشت نہیں کرسکتے۔ چنانچہ وہ معاشی تنگدستیوں اور مہنگائی کا مقابلہ صبر، شکر اور قناعت کے ساتھ کرتے ہیں۔ انھی لوگوں کے اخلاص کی وجہ سے دین کے یہ سرچشمے آباد ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ امیر لوگ بھی اپنے بچوں کو دنیاوی علوم کے ساتھ دینی علوم سے بہرہ ور کروائیں تاکہ وہ انتہائی قریب سے اہل علم کی ان قربانیوں کا بخوبی مشاہدہ کرسکیں اور ان کے دلوں میں ان کے لیے نرمی اور احساس کے جذبات مزید بیدار ہوسکیں۔

سفارشات

مدارس کی انتظامیہ اور اسلامی معاشرے کے صاحب ثروت احباب کے سامنے چند ایک سفارشات پیش کی جاتی ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے دینی علوم کو مزید فروغ دیا جاسکتا ہے، مدارس کی طرف لوگوں کے رجحان کو بڑھایا جاسکتا ہے۔ اور اسلامی معاشرے کی اصلاح کی طرف عملی قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔

(ا) اسلامی معاشرہ کی ذمہ داریاں

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ جس طرح پورا معاشرہ مہنگائی کا شکار ہے بعینہٖ مدارس اور علمائے کرام بھی اس چکی میں پس رہے ہیں۔ مدارس کی آمدنی کا بہت بڑا حصہ امت مسلمہ کی جانب سے دیے گئے قربانی کے چمڑے، عطیات، صدقات، زکاۃ اور عشر وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا صاحب نصاب، صاحب ثروت افراد اپنے مالوں میں سے زکاۃ، صدقات اور عشر وغیرہ جمع کرواتے وقت مدارس کو ترجیح دیں۔

امت مسلمہ جس طرح اپنے بچوں کو ذوق و شوق کے ساتھ دنیاوی تعلیم سے آراستہ کرتی ہے اسی طرح دینی علوم سے فیض یاب کروانے کے لیے اپنے بچوں کو مدارس میں بھی داخل کروائے تاکہ آنے والی نسل ان کے لیے صدقہ جاریہ بن سکے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جب انسان مرجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں: ① صدقہ جاریہ ② وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے ③ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔'' (صحیح مسلم:1631)

اب ہر بندہ اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کے لیے اس نے کیا ذخیرہ کیا ہے کیونکہ یہ دنیا تو فانی ہے۔ یہ دنیا آخرت کے لیے کھیتی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں جو تم کاشت کرو گے آخرت میں وہی کاٹو گے۔ لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں مدارس جو کہ علم نافع، یعنی علم دین کا گہوارہ ہیں، ان مدارس کے اخراجات اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے اپنے مالوں میں سے عطیات صدقات، زکاۃ اور عشر وغیرہ کی صورت میں مدارس کی معاونت کرکے آپ کو دو فائدے ہوں گے: ① اپنے فرض کو ادا کرلیں گے۔ ② اپنے لیے صدقہ جاریہ بنالیں گے۔ اس کے بعد اگر آپ اپنی اولاد کو دینی علوم سے بہرہ ور کروانے کے لیے مدارس میں داخل کرواتے ہیں تو نتیجتاً بھی آپ کو دو فوائد ملیں گے: ① علم دین حاصل کرنے والی نیک اولاد آپ کے لیے دعا کرے گی۔ ② آپ کی اولاد کے ذریعے دینی علم جب تک آگے منتقل ہوتا رہے گا آپ کو بھی حصہ ملتا رہے گا، یعنی اولاد کے دینی علم سے لوگوں کو فیض ملتا رہے گا تو یہ بھی گویا آپ ہی کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے گا۔

(ب) مدارس کی انتظامیہ کی ذمہ داری

سب جانتے ہیں کہ ایک گھر کا نظام چلانا کس قدر مشکل ہے جبکہ مدارس کا نظم ونسق چلانا تو بہت ہی مشکل مرحلہ ہے۔ لہٰذا انتظامیہ کے لیے لازم ہے کہ مدارس کے انتظامی معاملات ہوں یا مالی معاملات کڑی نگرانی رکھیں۔ امانت و دیانت کا دامن ہمیشہ تھامے رکھیں، اپنا محاسبہ

بھی کرتے رہیں اور متعلقہ افراد کا محاسبہ بھی ضرور کریں تاکہ لوگوں کی تنقید سے اپنے آپ کو بھی بچاسکیں اور اس بہت بڑی ذمہ داری کو بخوبی نبھا کر عنداللہ بھی سرخرو ہوسکیں۔

مدارس کی آمدنی سے سرمایہ کاری کرکے اسے منافع بخش بنائیں تاکہ مستقل پیمانوں پر مدارس کو خودکفیل بنایا جاسکے اور مدارس کے ذرائع آمدن بڑھا کر مدارس سے وابستہ افراد، طلباء اور اساتذہ کی بنیادی ضروریات کو بہ احسن طریقے سے پورا کیا جاسکے۔

بہت سے مدارس تو واقعتاً مالی لحاظ سے مستحکم نہیں ہیں۔ اس لیے ان کا عذر معقول ہے کہ اساتذہ کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر انھیں تنخواہ نہیں دے سکتے لیکن شکوہ تو ان مدارس سے ہے جن کے پاس ہر چیز کی فراوانی ہے لیکن تنگ ظرفی کا شکار ہیں۔

بعض مدارس ایسے بھی ہیں جن کی پراپرٹی، جائیداد اور ذرائع آمدن اس قدر ہیں کہ وہ طلباء اور اساتذہ کے لیے، جنھوں نے خدمت دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کررکھی ہیں، دل کھول کر خرچ کرسکتے ہیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ بھی اپنے اساتذہ کو مارکیٹ ریٹ، یعنی زیادہ سے زیادہ دس بارہ ہزار ہی تنخواہ دیتے ہیں۔ جبکہ تعمیری اخراجات میں اسراف کی ساری حدیں کراس کرجاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مدارس کی انتظامیہ اپنی اولاد سمیت خوب عیش وعشرت والی زندگی گزار رہی ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کی اپنی ذاتی آمدنی اس قدر نہ بھی ہو تب بھی وہ اپنا معیار زندگی گرنے نہیں دیتے۔ کار کوٹھی، نوکر چاکر کے علاوہ اسّی اسّی ہزار کے سیل فون ان کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اس لیے مدارس کا آڈٹ بھی بہت ضروری ہے تاکہ لوگوں کے عطیات صحیح جگہ پر خرچ ہوسکیں۔

ایسے ادارے جو مالی طور پر مستحکم ہیں ان کی انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ طلباء، اساتذہ اور عملے کی ضروریات کا اسی طرح خیال رکھیں جس طرح وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو، ورنہ تم مومن نہیں بن سکتے۔'' (صحيح البخاري: 13) اس سے ایک تو ان کی حوصلہ افزائی ہوگی اور دوسرا وہ دلجمعی کے ساتھ اشاعت دین میں مشغول رہیں گے۔ پھر اس پر خلوص تعلیم وتربیت کا نتیجہ بھی جلد ہی سامنے آنا شروع ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنایا ہے تو کیا ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے۔

کیا آپ قرآن حکیم اور دین کا فہم حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

تو آیئے! فہم دین انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی طرز پر گھر بیٹھے بذریعہ خط وکتابت (برائے خواتین وحضرات)

منسلکہ ذیل کورسز میں داخلہ جاری ہے

فہم قرآن کورس — رعایتی قیمت مکمل کورس صرف ۴۰۰ روپے مع ڈاک خرچ

فہم دین کورس — رعایتی قیمت مکمل کورس صرف ۴۰۰ روپے مع ڈاک خرچ

عربی بول چال کورس — رعایتی قیمت مکمل کورس صرف ۳۰۰ روپے مع ڈاک خرچ

کورس کے اختتام پر اسناد اور نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء وطالبات کو شیلڈز بھی دی جائیں گی۔

تمام کورسز بذریعہ وی پی ارسال کیے جائیں گے۔

کورس منگوانے کے لیے آج ہی اپنا آرڈر بک کروائیں

برائے رابطہ: فہم دین انسٹی ٹیوٹ مون مارکیٹ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ فون نمبر 0300-0332-8808064



حافظ شبیر صدیق

موسمِ گرما سے متعلقہ احکام ومسائل

انسان بھی عجیب فطرت کا مالک ہے۔ یہ نہ تو سخت سردی برداشت کرسکتا ہے اور نہ ہی بہت زیادہ گرمی، اسی طرح نہ تو مستقل سردی اس کی طبیعت کو بھاتی ہے اور نہ ہی گرمی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے پیش نظر سال کے بارہ مہینوں کو مختلف چار موسموں میں تقسیم کردیا ہے: موسم سرما، موسم بہار، موسم گرما اور موسم خزاں۔ ان چاروں موسموں میں سے طویل دورانیہ موسم گرما کا ہوتا ہے۔ موسم گرما کی ابتدا ہو چکی ہے۔ موسم خاصی حد تک گرم ہو چکا ہے۔ موسم گرما کی اس شدت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ: أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ، نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ فِي الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ» ''آگ نے اپنے رب سے التجا کرتے ہوئے کہا: ''اے میرے رب! (شدت کی وجہ سے) میرا بعض حصہ بعض کو کھا رہا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے جہنم کو دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں۔ موسم سرما میں سردی کی شدت اور موسم گرما میں گرمی کی جو شدت تم محسوس کرتے ہو یہ انھی سانسوں کی وجہ سے ہے۔'' (صحيح البخاري: 3260)

گرمی کی اس شدت کو کم کرنے کے لیے انسان مختلف حربے اور طریقے اختیار کرتا ہے۔ انسانی سہولت کے ان طریقوں کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں، خواہ وہ مسجد میں ہوں۔ لیکن اے سی، پنکھے یا کھڑکی کے سامنے کھڑے ہونے کے لیے اگلی صفیں چھوڑ دینا اور انھی سہولیات ہی کو اولین ترجیح بنالینا درست نہیں۔

دین اسلام وہ واحد دین ہے جو ہر موسم کے حوالے سے لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام موسم کی تبدیلی کی وجہ سے درپیش مسائل کا بہت آسان حل لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ موسم سرما کے حوالے سے چند گزارشات ہم جنوری 2014ء کے شمارے میں بیان کر چکے ہیں۔ ذیل میں موسم گرما سے متعلقہ مسائل کو ذکر کرتے ہیں۔

موسم گرما کا لباس

جیسے ہی موسم تبدیل ہوتا ہے اس آنے والے موسم کے مطابق لباس بنانے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ موسم گرما کا لباس بناتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ شرعی پابندیوں پر پورا اترتا ہو۔ اس قدر باریک اور چست لباس نہ بنایا جائے کہ اعضائے جسم اس میں سے نظر آنے لگیں۔ خصوصاً عورتوں کو لباس بناتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کا لباس باریک اور تنگ نہ ہو۔ ایسی عورتیں جو لباس تو پہنے ہوئے ہوں مگر ان کے جسم کے اعضاء نظر آتے ہوں یا جسمانی بناوٹ واضح ہوتی ہو ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ



أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَآءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُئُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا.» ''دو قسم کے جہنمی لوگوں کو میں نے ابھی تک نہیں دیکھا، ایک قسم ان لوگوں کی کہ جو بیلوں کی دموں کی مانند کوڑوں سے لوگوں کو سزائیں دیں گے اور دوسری قسم ان عورتوں کی جو لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی، وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور خود دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کی طرح ہوں گے، ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو تک پائیں گی جبکہ جنت کی خوشبو تو بہت زیادہ مسافت سے پائی جائے گی۔'' (صحیح مسلم: 2128)

رات کو سوتے وقت جو لباس استعمال کیا جائے وہ بھی مہذب ہونا چاہیے۔ ایسا لباس ہو کہ رات کو نیند کی حالت میں ستر کے ظاہر ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ عموماً ہمارے دیہاتی معاشرے میں لوڈ شیڈنگ کے باعث مرد حضرات گلیوں میں سوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر رات کو چادر باندھ کر سوتے ہیں جس میں ستر کے کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ چونکہ انسان نیند کی حالت میں بے ہوش ہوتا ہے، اس لیے ایسا لباس استعمال کیا جائے جس سے بندے کی عزت و وقار میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔

نماز کے لیے لباس

موسم گرما میں گرمی کی شدت اور لوڈ شیڈنگ کی اذیت ناک صورت حال کی وجہ سے ہلکا لباس استعمال کیا جاتا ہے۔ اکثر مرد حضرات گھر میں بنیان اور شلوار وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے لیے لباس کیسا ہونا ضروری ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ''اے بنی آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔'' (الاعراف 31:7) مذکورہ آیت میں زینت سے مراد ایسا لباس ہے جو ستر کو ڈھانپنے والا ہو۔ کوئی بھی ایسا لباس کہ جس سے نماز کے کسی بھی رکن میں ستر ظاہر ہونے کا اندیشہ ہو اس سے بچا جائے۔ خصوصاً وہ لوگ جو پینٹ استعمال کرتے ہیں انھیں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ مرد کا ستر گھٹنوں سے ناف تک کا حصہ ہے۔ (صحیح البخاري، قبل الحدیث: 371) اسی طرح اگر کندھوں پر کپڑا نہ ہو تو ایسی صورت میں نماز پڑھنا منع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يُصَلِّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ» ''کوئی بھی شخص ایک کپڑے میں ایسی صورت میں نماز ادا نہ کرے کہ اس کے کندھوں پر کپڑا نہ ہو، یعنی پہلے کندھوں کو ڈھانپے اور پھر نماز ادا کرے۔ (صحیح البخاری: 359) اگر بازو والی بنیان پہن لی جائے تو وہ بھی کافی ہو جائے گی۔

بالغ لڑکیوں کا ہاتھ، چہرے اور پاؤں کے علاوہ تمام جسم کا ڈھانپنا ضروری ہے بصورت دیگر ان کی نماز ناقابل قبول ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ بالغ لڑکی کی چادر اوڑھنے کے بغیر پڑھی ہوئی نماز قبول نہیں فرماتا۔''

(سنن أبی داود: 641)

موسم گرما میں بعض مساجد میں کچھ خاص اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے نمازیوں کو مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ سخت دھوپ کی وجہ سے مسجد کے صحن کا فرش گرم ہو جاتا ہے۔ اس کو پانی کے چھڑکاؤ سے ٹھنڈا کیے بغیر ہی مغرب اور عشاء کی نماز وہاں ادا کی جاتی ہے جس کی وجہ سے دورانِ سجدہ بہت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ جب کبھی ایسی صورت حال ہو تو سجدے کی جگہ پر کوئی کپڑا یا رومال وغیرہ رکھ لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو گرمی کی شدت کی وجہ سے سجدے کی جگہ کوئی کپڑا بچھا لیتے تھے۔

(صحیح البخاري: 385)

پسینے کی بدبو

انسانی جسم کو حرارت ملنے پر پسینے کا آنا ایک فطری عمل ہے۔ بعض اوقات یہ پسینہ اپنے اور دوسرے لوگوں کی تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی غسل نہ کرے یا دھلا ہوا صاف ستھرا لباس استعمال نہ کرے۔ جب ایسا شخص کسی مجلس میں جاتا ہے یا نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد جاتا ہے تو لوگوں کے لیے تکلیف کا سبب بنتا ہے۔



رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہ صورت حال پیدا ہوئی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو غسل کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگ اپنا کام کاج خود ہی کیا کرتے تھے۔ جب وہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے آتے تو ایسے ہی چلے آتے، یعنی غسل نہ کرتے اور پسینہ بہہ رہا ہوتا تو انھیں کہا گیا کہ کاش! تم غسل کرتے۔ (صحیح البخاری: 902-903) گویا جب پسینہ لوگوں کی تکلیف کا باعث بنے تو اس صورت میں غسل کر لینا چاہیے اور صاف ستھرا دھلا ہوا لباس پہننا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ» ''جس چیز سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں وہ چیز فرشتوں کے لیے بھی تکلیف کا باعث بنتی ہے۔'' (صحیح مسلم: 564) یعنی پسینے کی یہ بدبو فرشتوں کے لیے بھی تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ ہر شخص کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ خوشبو کا استعمال کرے۔ البتہ اس حوالے سے ایک بات ذہن نشین رہے کہ خوشبو کا استعمال نہانے کے بعد کیا جائے تاکہ جب پسینہ آئے تو بدبو پیدا نہ ہو، بعض دفعہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جب پسینے میں بدبو پیدا ہو جائے تو اس کو ختم کرنے کے لیے خوشبو لگالی جاتی ہے جس کی وجہ سے صورت حال مزید بگڑ جاتی ہے۔

بہرحال پسینہ آنا ایک فطری چیز ہے، البتہ اس حوالے سے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں تاکہ آدمی کی اپنی طبیعت بھی ٹھیک رہے اور دوسروں کی تکلیف کا باعث بننے سے بھی بچا جا سکے۔

ٹھنڈا پانی اور مشروبات

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بے شمار نعمتیں ہیں جن کا انکار ناممکن ہے۔ موسم گرما میں ٹھنڈا پانی اور دیگر مشروبات بھی اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں میں سے ہیں۔ ٹھنڈا پانی اللہ تعالیٰ کی کس قدر بڑی نعمت ہے موسم گرما میں اس کا بخوبی اندازا لگایا جا سکتا ہے۔ ان نعمتوں پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ قیامت کے دن ان کے بارے میں سوال ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ مشہور ہے۔ نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سخت بھوک اور پیاس نے تنگ کیا تو آپ ﷺ اور صاحبین اپنے اپنے گھروں سے نکلے۔ ایک انصاری صحابی ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے تو اس نے آپ ﷺ اور صاحبین کی بہترین ضیافت فرمائی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! یہ ٹھنڈا سایہ، تر کھجوریں اور ٹھنڈا پانی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں، قیامت کے دن تم سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم: 2038، وجامع الترمذی: 2369)

موسم گرما میں جانوروں سے حسن سلوک

جس طرح انسان گرمی میں سخت پیاس محسوس کرتا ہے بعینہ جانور بھی محسوس کرتے ہیں۔ بعض اوقات پانی نہ ملنے پر پیاس کی وجہ سے جانور مر بھی جاتے ہیں۔ پاکستان کے علاقے چولستان میں جانوروں کی ایسی اموات بکثرت ہوتی ہیں۔ انسانوں کو چاہیے کہ اپنی بھوک اور پیاس پر قیاس کرتے ہوئے خصوصاً موسم گرما میں جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا برتاؤ کریں۔ اس حوالے سے بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ جب اس نے ایک کتے کی پیاس کو محسوس کرتے ہوئے بڑی مشکل سے کنویں سے پانی نکال کر اس کو پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیے اور اسے جنت میں داخل فرما دیا۔ (صحیح مسلم: 2245,2244) اس کے برعکس اس عورت کو جہنم میں ڈال دیا گیا جس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا، اس نے نہ ہی اس کو کھلایا اور نہ ہی اسے کچھ پلایا، حتی کہ وہ بلی مر گئی۔ (صحیح مسلم: 2243) مذکورہ احادیث کی روشنی میں ہمیں جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اگر گھر میں جانور رکھے ہوئے ہیں تو ان کا خیال رکھنا چاہیے، خصوصاً موسم گرما میں ان کو پانی پلانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتی جائے۔

پھوڑے اور پھنسیوں پر مسح

موسم گرما میں گرمی کی شدت کی وجہ سے اکثر لوگوں کے جسم پر پھوڑے اور پھنسیاں نکل آتے ہیں۔ بعض پھوڑے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو پانی سے بچانا ضروری ہوتا ہے ورنہ ان کے بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر پھوڑا اعضائے وضو میں سے کسی عضو پر ہو تو وضو کرنے میں بہت پریشانی ہوتی ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وضو کے لیے پھوڑے والی



جگہ کو مکمل طور پر دھونا لازمی اور ضروری ہے۔ ورنہ وضو مکمل نہیں ہوگا۔ یوں وہ زخم بگڑ جاتا ہے جس وجہ سے بہت زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ اپنے ماننے والوں کو ایسی کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرتی۔ شرعاً اس حوالے سے بہت آسانی رکھی گئی ہے۔ نبی ﷺ کے دور میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا تھا۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی سفر پر گئے، ایک صحابی کے سر پر پتھر لگنے کی وجہ سے زخم ہو گیا۔ اگلی رات اسے غسل جنابت کی حاجت پیش آ گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا تم میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہو کہ غسل کی بجائے تیمّم کرلوں؟ انھوں نے کہا: نہیں، تمھیں غسل ہی کرنا ہوگا۔ جب اس نے غسل کیا تو پانی زخم کے اندر چلا گیا اور اس کی موت واقع ہوگئی۔ جب نبی ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے بہت سخت غصے کا اظہار کیا اور فرمایا: ''انھوں نے کسی صاحب علم سے اس بارے میں کیوں دریافت نہیں کیا۔'' (سنن أبي داود: 336) اسی روایت کے آخری الفاظ ہیں جن کے بارے میں اگرچہ کلام ہے مگر معناً درست ہیں، الفاظ یہ ہیں کہ اسے چاہیے تھا کہ وہ تیمّم کرتا یا پھر زخم پر کوئی پٹی وغیرہ باندھ لیتا اور باقی جسم پر پانی بہا لیتا۔ یعنی اگر ایسا کوئی زخم یا پھوڑا وغیرہ ہو جس پر پانی لگنے سے اس کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو پھر اس کی اطراف سے دھو لینا ہی کافی ہے، اس جگہ کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

واپڈا اہلکاروں کو گالی دینے سے گریز

پاکستان کے قومی مسائل میں سے ایک مسئلہ لوڈشیڈنگ کا ہے۔ پاکستان کے اکثر علاقوں میں بجلی کے آنے یا جانے کا کوئی شیڈول نہیں ہے۔ کوئی مرتب شدہ شیڈول نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی کا سامنا رہتا ہے۔ اجتماعی طور پر تو پوری قوم اس مسئلے کی وجہ سے پریشان ہے ہی اور انفرادی طور پر اگر کوئی شخص ایسا کام کر رہا ہو جس میں بجلی کا بہت زیادہ عمل دخل ہو اور پھر غیر علانیہ طور پر بجلی بند ہو جائے تو اس وقت اس کی جو حالت اور کیفیت ہوتی ہے بیان سے باہر ہے۔ خصوصاً اگر کسی شخص نے کسی دعوت پر جانا ہو اور کپڑے استری کرنے کے دوران بجلی چلی جائے تو واپڈا اہلکاروں کی شامت آجاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے آفس یا کہیں اور جانا ہو اور غسل کے لیے پانی بھی نہ ہو اور بجلی کا بھی نام ونشان نہ ہو تو بھی واپڈا والوں کی خیر نہیں۔ خصوصاً جب موسم گرما ہو، گرمی اپنے جوبن پر ہو، دوپہر کا وقت ہو، نہانے کو جی للچا رہا ہو، پانی کی ایک بوند بھی نہ ہو یا ٹینکی میں موجود پانی گرمی کی شدت سے کھول رہا ہو اور بجلی صبح سے غائب ہو تو یہ مرحلہ بھی بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ اس حالت میں اگر کوئی اپنے اوپر قابو پالے تو پالے ورنہ ہر قسم کا غصہ واپڈا ملازمین پر اتارا جاتا ہے۔ اس تمام صورت حال کا سبب صرف جذباتی پن ہے وگرنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ بجلی بند کرنے میں واپڈا ملازمین کا کوئی قصور نہیں ہے۔ جس طرح دیگر اداروں کے ملازمین متعلقہ ادارے کی انتظامیہ کے حکم کے پابند ہوتے ہیں یہی حالت واپڈا ملازمین کی ہے۔ اس اذیت ناک لوڈ شیڈنگ کا اصل سبب تو وہ ''مگر مچھ'' ہیں جو اس ادارے کو کنٹرول کرنے والے ہیں اور آئے دن اس قومی اثاثے کو پستی میں دھکیلتے جا رہے ہیں۔ البتہ موجودہ حکومت اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

بہرحال لوڈشیڈنگ کی وجہ سے واپڈا ملازمین کو گالیاں دینا ایک اخلاقی جرم ہے۔ اس معاملے میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ بھی دیگر ملازمین کی طرح مجبور ہیں۔ کسی مسلمان کو گالی دینے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ» ''مسلمان کو گالی دینا گناہ کا کام ہے۔''

(صحيح البخاري: 6044)

رات کے وقت دوسروں کے گھر جھانکنا

موسم گرما میں لوگوں کی اکثریت گھروں کی چھتوں پر سوتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگر رات کو بجلی نہ بھی ہو تو موسم نارمل ہونے کی وجہ سے آدمی آرام سے سو سکتا ہے۔ چھت پر سونے کے حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث میں ایسی چھت پر سونے سے منع کیا گیا ہے جس کے چاروں طرف کوئی دیوار وغیرہ نہ ہو۔ اس ممانعت کی وجہ آدمی کو اس



حادثے سے محفوظ رکھنا ہے جس سے اس کی موت بھی واقع ہونے کا خدشہ ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نیند ہی میں اٹھ کر چلنا شروع کر دے تو دیوار نہ ہونے کی وجہ سے وہ نیچے گر جائے گا۔ نیچے گرنے کی وجہ سے چوٹ لگنے کے ساتھ ساتھ یہ خطرہ بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ وہ اس کیفیت سے گرے کہ گرتے ہی اس کی موت واقع ہوجائے۔

دوسری بات یہ کہ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ چھت پر سے دوسرے لوگوں کے گھروں میں جھانکنا شروع کر دیتے ہیں، یہ دیکھنے کے لیے کہ کون کیا کر رہا ہے اور کون کیسے سویا ہوا ہے۔ یہ ایک بری عادت ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی جرم بھی ہے۔ جس گھر میں یہ جھانک رہا ہے اس گھر والے اگر اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو ان سے قصاص یا دیت نہیں لی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَومٍ بِغَيرِ إِذْنِهِمْ فَفَقَئُوا عَيْنَهُ فَلَا دِيَةَ لَهُ وَلَا قِصَاصَ» ''اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانکتا ہے، اسی دوران گھر والے اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو اس آدمی کے لیے نہ تو دیت ہے اور نہ ہی قصاص۔''

(صحيح مسلم: 2158، و سنن النسائي: 4864)

موسمِ گرما اور بارش

دورانِ بارش دعا کی قبولیت: ویسے تو پورے سال میں گاہے گاہے بارش ہوتی رہتی ہے، البتہ موسم گرما میں بکثرت بارشیں ہوتی ہیں۔ احادیث میں بہت ساری ایسی ساعتوں کا ذکر ہے جن میں دعا قبول ہونے کی گارنٹی ہے۔ دوران بارش دعا کی قبولیت بھی انھی ساعتوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بارش کے نازل ہونے کے وقت دعا کے قبول ہونے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ (سلسلة الصحيحة: 1469) چونکہ دعا مومن کا بہترین سہارا ہے، اس لیے نزول بارش کے وقت آدمی کو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور خصوصاً اگر نماز کے وقت بارش ہو رہی ہو تو دعائیں کرتے رہنا چاہیے۔

پہلے پہل بارش میں نہانا: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اسی دوران بارش شروع ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اپنے جسم مبارک سے کپڑا ہٹایا تاکہ بارش کا پانی براہ راست جسم پر پڑے۔ ہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس لیے کہ یہ اپنے رب کی طرف سے نازل ہونے والی نئی نعمت ہے۔''

(صحيح مسلم: 898)

تیز بارش.....!: اگر بارش اس قدر زیادہ ہوجائے کہ فصلوں، مکانوں، جانوروں یا دیگر اشیاء کا نقصان ہونا شروع ہوجائے تو ایسی صورت میں شریعت نے ایک دعا سکھائی ہے۔ جب لوگوں کی پانی کی ضرورت پوری ہوجائے تو بجائے اس کے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کے بول بولے، اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب اسی طرح کا مسئلہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُونِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ» ''اے اللہ! اب اس بارش کو ہمارے اردگرد برسا ہم پر نہ برسا، اے اللہ! اس بارش کو پہاڑوں پر، ٹیلوں پر، ندی نالوں میں اور درختوں کے اگنے کی جگہ (جنگلات میں) لے جا۔'' راوی حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے یہ دعا کرنے کے بعد بارش بالکل تھم گئی، بادل چھٹ گئے اور جب ہم مسجد سے باہر نکلے تو دھوپ بھی نکل چکی تھی۔

(صحيح البخاري: 1013)

آندھی اور طوفان: موسم گرما میں تیز آندھی اور طوفانی ہوائیں بھی بہت زیادہ چلتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں جب تیز ہوا چلتی اور آسمان پر سیاہ بادل چھاجاتے تو آپ ﷺ بہت زیادہ پریشان ہوجاتے۔ اسی پریشانی میں آپ ﷺ کبھی گھر کے اندر آجاتے اور کبھی باہر نکل جاتے۔ جب بارش برسنا شروع ہو جاتی تو تب آپ ﷺ کے چہرے سے پریشانی کے آثار ختم ہوجاتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ڈر ہے کہ اس آندھی اور طوفان کی صورت میں میری امت پر کہیں عذاب نازل نہ ہوجائے۔'' جب بارش برسنا شروع ہوجاتی تو آپ ﷺ فرماتے: ''یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔'' (صحيح مسلم: 899) جب تیز آندھی چلتی تو نبی ﷺ درج ذیل دعا پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا



وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ» ''اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جو خیر اس میں ہے اور جس خیر کے ساتھ اس کو بھیجا گیا ہے اس کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں اس ہوا کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جو شر اس میں ہے اور جس شر کے ساتھ اس کو بھیجا گیا ہے اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔(صحیح مسلم: 899)

نمازِ استسقاء

اللہ تعالیٰ سے رحمت کی اپیل کرنے اور بارش کی صورت میں پانی طلب کرنے کے لیے بستی سے باہر کسی میدان میں جا کر نمازِ استسقاء (پانی طلب کرنے کی نماز) ادا کی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی ایسی صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ آپ ﷺ پرانے کپڑے پہن کر عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے وہاں خوب گڑگڑا کر بارش کی دعائیں کیں اور دو رکعت نماز استسقاء ادا فرمائی۔ (صحیح البخاری: 1012) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی دعا قبول کرتے ہوئے بادلوں کو بھیجا۔ اسی وقت بادل گرجنے لگے اور پھر اللہ کے حکم سے بارش برسنے لگی۔ ابھی آپ ﷺ راستے ہی میں تھے، مسجد نہیں پہنچے تھے کہ پانی کے نالے بہنے لگے۔ صحابہ کرام تیز بارش سے بچاؤ کے لیے اپنے گھروں کی طرف تیز تیز بھاگنے لگے تو نبی ﷺ ان کو دیکھ کر مسکرانے لگے اور فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''

(سنن أبی داود: 1173)

موسم گرما اور مزدور

موسم گرما میں چمکتی دھوپ میں مزدوری کرنا بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے۔ مزدور پسینے میں اس طرح شرابور ہوتے ہیں گویا ان پر پانی کا ایک ٹب انڈیل دیا گیا ہے۔ ایسے ہی افراد ہوتے ہیں جو اپنی کمائی کو خون پسینے کی کمائی کہتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسے افراد سخت گرمی میں اپنے خون کو جلا کر اور پسینہ بہا کر حلال روزی کما رہے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی افراد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے اس کی اجرت ادا کر دو'' (سنن ابن ماجه: 2443) اگرچہ اس حدیث میں ہر شعبے سے منسلک مزدور مراد ہیں، البتہ تعمیرات سے منسلک مزدور اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ بروقت ان کی اجرت ادا کر دی جائے۔

موسم گرما اور گندم کا عشر

موسم گرما میں گندم بھی تیار ہوتی ہے۔ گندم کے حوالے سے شرعی تعلیمات یہ ہیں کہ فصل تیار ہونے کے بعد جب اس کی کٹائی کی جائے تو اس میں سے کچھ حصہ اللہ کے لیے نکالا جائے جو فقراء اور غرباء میں تقسیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ''اور جس دن (کھیتی) کاٹو، اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔'' فقراء اور غرباء میں تقسیم کے لیے کتنا حصہ نکالا جائے؟ اس کی دو صورتیں ہیں: ① اگر یہ فصل ایسی جگہ تیار کی گئی ہے جو بارانی ہے یا وہاں کھیتی کو پانی دینے لیے ٹیوب ویل وغیرہ کی صورت میں خاص اہتمام نہیں کرنا پڑتا بلکہ پانی خود ہی ندی نالوں کے ذریعے کھیتی تک پہنچتا ہے تو ایسی صورت میں عشر (دسواں حصہ) ادا کیا جائے گا۔ ② اگر فصل ایسی جگہ تیار کی گئی ہے جو بارانی علاقہ نہیں ہے بلکہ فصل کو پانی دینے کے لیے خاص اہتمام کرنا پڑتا ہے، مثلاً: ٹیوب ویل، نہروں یا کنوؤں کے ذریعے کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں کل فصل میں سے نصف عشر (بیسواں حصہ) ادا کیا جائے۔

دنیا کی گرمی اور آخرت کی گرمی

دنیا میں بھی بڑے بڑے گرم دن آتے ہیں۔ بہرحال آخرت کا دن دنیا کی اس گرمی کے مقابلے میں کئی درجے زیادہ سخت ہے۔ ان ایام اور آخرت کے ایام کا کوئی موازنہ ہی نہیں۔ جس طرح ہر آدمی دنیا کی گرمی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اس سے زیادہ آخرت کی گرمی سے بچنے کی کوشش کرے۔ اعمال صالحہ بجالائے تاکہ اس گرمی سے بچنے کا سامان پیدا ہو، اس لیے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اس دن کی ہولناکی سے بچا کر اپنے عرش کے سائے تلے جگہ عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی انھی لوگوں میں شامل کر دے۔ آمین



آپ کا کاروبار غیر اسلامی تو نہیں؟

پیشکش: محمد قاسم

یاد رکھیے! اگر آپ کے کاروبار سے کسی دوسرے انسان، خاص طور پر کسی مسلمان کے اخلاق، صحت اور ایمان پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں تو درحقیقت آپ گھاٹے کا کاروبار کررہے ہیں کیونکہ ایسا کاروبار جو آخرت کی ناکامی کا سبب بنے وہ گھاٹے کا کاروبار ہے۔ جبکہ ایسا کاروبار جس میں دنیا کمانے کے ساتھ ساتھ شریعت کے اصولوں کو مدنظر رکھا جائے تو یہ آخرت کی بہترین سرمایہ کاری ہے۔

غور کیجیے کہ

① آپ بے پردگی والا لباس یا کپڑے تو نہیں بیچ رہے؟

② آلات موسیقی تو آپ کا ذریعہ معاش نہیں ہے؟

③ غیر موزوں اور مخرب اخلاق کتب اور لٹریچر آپ کا ذیلی یا اصل کاروبار تو نہیں ہے؟

④ ٹی وی، ڈش اور ملٹی میڈیا کی دیگر اقسام پر آپ کی معیشت کا ڈھانچہ تو نہیں ہے؟

⑤ سگریٹ، تمباکو اور گٹکا وغیرہ تو نہیں بیچتے؟

⑥ صحت کے نام پر مضرصحت ادویات کا کاروبار تو نہیں کرتے؟

⑦ اخلاق باختہ گریٹنگ کارڈز کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں کو پراگندہ تو نہیں کرتے؟

⑧ آپ کا کاروبار سودی لین دین کی بنیاد پر تو نہیں ہے؟ جس میں بینک فنانسنگ اور لیزنگ وغیرہ بھی شامل ہے۔

⑨ محض کاروبار اور معاشرتی رتبے (Social Status) میں اضافے کے لیے آپ رشوت کا سہارا تو نہیں لیتے؟

⑩ کاروبار اور معاشرتی رتبے (Social Status) میں اضافے کی فکر میں آپ اعتدال سے تو نہیں ہٹتے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو نظرانداز تو نہیں کررہے؟

⑪ دھوکا دہی، وعدہ خلافی، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی جیسی تراکیب کا سہارا تو نہیں لیتے؟

⑫ قیمتوں میں نقد اور ادھار کے فرق سے خرید وفروخت تو نہیں کرتے؟

اگر ایسا ہے تو یاد رکھیں کہ قومِ شعیب تو محض اس وجہ سے ہلاک ہوئی کہ وہ ناپ تول کی غلطیوں سے لوگوں کو صرف معاشی نقصان پہنچاتی تھی جبکہ فحاشی پھیلانا، لوگوں کی صحت سے کھیلنا اور لوگوں کے دین وایمان کو متزلزل اور معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنا یا اس کا سبب بننا اس سے بڑے گناہ ہیں۔ جو لوگ اپنے کاروبار سے معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی پھیلانے کا محرک بنتے ہیں قرآن وحدیث میں انھیں عبرتناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور انھیں سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ ''بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔'' (النور 19:24)

غیر اسلامی کاروبار کرنے کی ممکنہ وجوہات

① بعض لوگ مجبوری کے نام پر ایسے کاروبار کرتے ہیں اور شیطان ان کو یہ اطمینان دلاتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کی معیشت کا 90% حصہ جائز کاموں پر محیط ہے، یعنی 90% کاروبار حلال اور جائز ہیں۔ چنانچہ اپنے لیے بھی کسی حلال کاروبار کا انتخاب کرلیں۔

② بعض لوگ اپنے کاروبار میں اضافے کے لیے یا گاہک کے واپس جانے کے عذر کے تحت اس قسم کے کاروبار کو بطور ذیلی کاروبار کرتے ہیں۔ ان کو احساس کرنا چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ 10% اضافی آمدنی کی ہوس میں اپنے خون پسینے کی 90% آمدنی کو آلودہ کرتے ہیں۔ غور کیجیے کیا یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے؟ حرام مال سے اپنے اہل وعیال کی پرورش



کرنا یقیناً گھاٹے کا سودا ہے۔

③ بعض لوگ ممنوعہ کاروبار اس سوچ کے تحت بھی کرتے ہیں کہ اس میں منافع زیادہ ہے اور اس سے ہم اللہ کی راہ میں اور نیکی کے کاموں میں بھی خرچ کریں گے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صدقات و خیرات صرف پاک مال سے قبول کرتا ہے۔ (صحيح البخاري: 1410، وسنن أبي داود: 59)

انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ غلط راستوں سے کروڑوں کما کر نیکی کے کاموں میں لاکھوں خرچ کرنا بے کار ہے، یعنی بڑے بڑے نیکی کے کاموں کی جستجو سے بہتر ہے کہ وہ گناہوں کے ارتکاب سے بچے، صرف خلوصِ نیت کافی نہیں۔ ایمان اور لازمی عبادات کی ادائیگی کے بغیر تو رزقِ حلال کا صدقہ وخیرات بھی بے فائدہ ہے۔

دیگر شیطانی وسوسے

① بعض اوقات انسان کاروبار میں خسارے کے ڈر سے اس طرح کی مصروفیات میں الجھتا ہے۔ یہ شیطان کا وسوسہ ہے۔ قرآن نے یوں وضاحت کی ہے: ''شیطان تمھیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمھیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔'' (البقرة 2:268) ویسے بھی انسان شیطان سے ہر وقت حالت جنگ میں ہے۔ اس دشمن کے ہر ممکنہ وار سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ قرآن مسلمان کی رہنمائی اس انداز سے کرتا ہے: ''بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے پس اسے دشمن ہی سمجھو۔'' (فاطر 6:35)

② بعض اوقات شیطان یہ اطمینان دلاتا ہے کہ دیگر لوگ تو اس سے بھی برے کاروبار کرتے ہیں، میرے اس چھوٹے سے کاروبار سے معاشرے پر کیا فرق پڑتا ہے؟ اور کبھی یہ سوچ بھی ہوتی ہے کہ یہ تو سبھی کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر فرد کو اپنے اچھے یا برے کاموں کا از خود حساب دینا ہے اور نتیجہ از خود بھگتنا ہے۔ ''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے۔'' (المدثر 74:38)

③ بسا اوقات یہ سوچ ہوتی ہے کہ بالفرض میں اس سے باز آجاؤں اور یہ کاروبار چھوڑتا بھی ہوں تو کیا فرق پڑے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنے حصے کے گناہ سے بچ جائیں گے اور جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں گے، ان شاء اللہ۔ تو کیا یہ کم کامیابی ہے؟ ''پھر جو کوئی دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا پس وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی (کچھ) نہیں ایک دھوکے کے سودے کے سوا۔'' (آل عمران 3:185)

④ بعض اوقات انسان مستقبل کے تحفظ کی فکر میں اس قسم کے کاروبار میں ملوث ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ مستقبل کے تحفظ کی خاطر مال کا جمع کرنا ہمیشہ بے فائدہ رہا ہے۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے عافیت کا جاری رہنا ہے۔

⑤ اگر آپ کی یہ سوچ ہے کہ بعض لوگ سالہا سال سے اس قسم کے مذموم کاروبار میں مصروف ہیں اور بڑے خوشحال نظر آتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم ایسے زندہ لوگوں سے متاثر ہونے کے بجائے انھی جیسے فوت شدہ لوگوں کے انجام کو سامنے رکھیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسے لوگوں کو اس دنیا کی زندگی میں بھی کسی نہ کسی انداز سے اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور آخرت کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''سو تمھیں ان کا شہروں میں (آرام و چین سے) چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے۔'' (المؤمن 40:4)

⑥ اس کے علاوہ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح کے کاروبار کی حرام کمائی کو زکاۃ اور صدقات کے ذریعے پاک کرسکتا ہے تو یہ اس کی منفی سوچ ہے۔ یاد رکھیں! دو غلط کبھی ایک صحیح نہیں بناتے، یعنی اگر کوئی ایک غلط کام کو دوسرے غلط کام سے صحیح کرنے کی کوشش کرے تو یہ سراسر حماقت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں تم کماؤ اس سے خرچ کرو۔'' (البقرة 2:267)

بچاؤ کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

① معاملے کی اہمیت کو سمجھیں اور توبہ استغفار کریں۔ یاد رکھیں! توبہ و استغفار لازم و ملزوم ہیں۔ استغفار ماضی کے گناہوں پر نادم ہونے اور معافی مانگنے کو کہتے ہیں اور توبہ مستقبل کے حوالے سے گناہوں سے بچنے کے عزم اور عہد کا نام ہے۔ ایسا استغفار جو بکثرت ہو اور متعلقہ گناہ سے تائب نہ ہوا جائے بے معنی اور بے فائدہ ہے۔ ممنوعہ کاروبار اور مشکوک کمائی کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ عبادات اور دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

② اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور جتنا جلدی ہو سکے اپنے کاروبار کی نوعیت کو بدلیں۔ فرمان الٰہی ہے: ''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے



لیے نجات کی راہ نکال دیتا ہے اور وہ (اللہ) اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔'' (الطلاق 3,2:65)

③ مسائل کی بنیادی جڑ صرف اس دنیا کی فکر میں الجھے رہنا ہے۔ اس طرح آخرت کی تیاری کے لیے وقت نہیں بچتا، یعنی آخرت کی بہتری اور دنیا کی بہتری کی فکر ایک ساتھ ممکن نہیں۔ کیونکہ دنیا کی فکر میں مگن انسان اپنے مسائل میں ایسا الجھ جاتا ہے کہ اسے آخرت کی تیاری کے لیے لمحہ بھر کے لیے سوچنا بھی ناممکن ہوجاتا ہے۔ آخرت کی قیمت پر دنیا کی فکر گھاٹے کا سودا ہے۔ چنانچہ خواہشات کی فہرست محدود کریں۔ Status کی دوڑ میں شامل نہ ہوں اور اپنے اوپر سے اخراجات کا دباؤ کم کریں۔

④ برکت اور منافع میں فرق ہے۔ برکت والی آمدنی تو وہ ہے جو ضروریات کو بحسن وخوبی پورا کردے اور اخراجات و تکالیف کی اذیت اور بوجھ بھی نہ آئے۔ اگر اخراجات کا بل آمدنی کے انبار کو ہڑپ کرلے تو یہ گھاٹے کا سودا ہے۔ حرام بظاہر کثیر منافع لاتا ہے مگر انسان کو اس کی دینی اور دنیاوی لحاظ سے بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ کروڑوں کی کمائی اگر دکھ، بیماری اور دیگر نقصانات اور تکالیف میں خرچ ہوجائے تو یہ یقیناً گھاٹے کا سودا ہے۔ کیونکہ اصل چیز سکونِ قلب کا حاصل ہونا ہے۔ اگر پیسے کی فراوانی اور کاروباری استحکام کے باوجود زندگی میں اطمینان نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ کہیں خرابی موجود ہے۔

⑤ ایک بہترین اور سمجھدار انسان کی یہ پہچان ہے کہ وہ اپنی غلطی کو تسلیم کرے اور عذرِ لنگ نہ تلاش کرے کیونکہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے۔ ایک گناہ تو انسان غفلت کے تحت کرتا ہے اور اس پر مصر رہتا ہے اور عذر تلاش کرتا ہے۔ یہ بدترین شکل ہے، ڈھٹائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ نصیحت کے آجانے کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اپنی مذموم حرکات سے باز نہیں آتا تو قرآن مجید ایسے شخص کی تشخیص اس انداز میں بیان کرتا ہے کہ ایسا شخص اپنے رب سے ملاقات پر یقین ہی نہیں رکھتا۔ ''بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی پر راضی ہوگئے اور اس پر مطمئن ہوگئے اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں، یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اس کے بدلے جو وہ کماتے تھے۔'' (یونس 8,7:10)

⑥ محترم! ازراہ کرم درج بالا بحث کو سنجیدگی سے لیں کیونکہ دین نصیحت کا نام ہے۔ ہم نے یہ ساری بات خلوص نیت سے کی ہے۔ اس سلسلے میں قومِ شعیب کا اپنے نبی سے یہ مکالمہ برمحل ہے: ''وہ بولے: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم انھیں چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے یا اپنے مالوں میں سے جو چاہیں نہ کریں (طنزاً بولے) بے شک تم ہی باوقار نیک چلن ہو۔ اس (شعیب) نے کہا: اے میری قوم! تمھارا کیا خیال ہے؟ میں اپنے رب کی طرف سے اگر روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے اچھی روزی دی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میں (خود) اس کے خلاف کروں جس سے تمھیں روکتا ہوں جس قدر مجھ سے ہوسکے میں صرف اصلاح چاہتا ہوں اور میری توفیق صرف اللہ ہی سے ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' (ھود 88,87:11)

یاد رہے کہ جس طرح صدقہ جاریہ ہوتا ہے اسی طرح غلط کاروبار اور پیسے کا مسرفانہ استعمال بھی ایک گناہِ جاریہ ہے اور نسل درنسل کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر آپ کا تعلق معاشرے کے متمول طبقے سے ہے اور اگر آپ بے تحاشا اخراجات کو پورا کرنے اور نمود ونمائش کی جستجو میں بے دریغ کمانے کے لیے کاروبار کے اسلامی اصولوں کی پامالی کرتے ہیں تو گویا آپ معاشرے کے کمتر طبقوں میں احساس کمتری، افراط وتفریط اور انتشار کا محرک بنتے ہیں۔ آپ کی وجہ سے دیگر بھیڑ چال کا شکار ہوکر زیادہ سے زیادہ کمانے کے لیے غلط راستے اختیار کرتے ہیں اور یوں معاشرے میں بگاڑ کی ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوتی ہے۔ کمانے اور خرچ کرنے کے سوال کا جواب لازمی طور پر دینا ہے۔ اس دنیا کی زیادہ سے زیادہ سوسالہ زندگی کے بلّے گلّے اور اپنے پیاروں کے مستقبل کی فکر میں اپنی ابدالآباد والی زندگی کو خطرے میں ڈالنا گھاٹے کا سودا ہے۔

اس قدر واضح دلائل کے باوجود اگر کوئی مسلمان اپنے ضمیر کی آواز کو دبائے اور حق کا راستہ اختیار نہ کرے تو اس کو رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان ذہن نشین رکھنا چاہیے: ''جب تجھ میں حیا (احساسِ شرمندگی) نہ رہے تو تیرا جو جی چاہے کر۔'' (صحیح البخاري: 6120) غور کیجیے کہ ایک عقلمند انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے گاؤں میں

ایک یادگار سفر کی ایمان افروز روداد

عبدالمالک مجاہد

مکاتب جالیات اب سعودی عرب کے طول و عرض میں پھیل چکے ہیں۔ بڑے شہروں میں ان کی تعداد آٹھ سے دس تک بھی ہے۔ اب تو چھوٹے چھوٹے شہروں اور بستیوں میں بھی یہ مکاتب کھل چکے ہیں۔ ان مکاتب کا کام لوگوں میں اسلام اور دین کے حوالے سے آگہی پیدا کرنا ہے۔ غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت کو پھیلانا ان کی ذمہ داری ہے۔ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں ان کو دور کرنا اور معترضین کے سوالات کے جوابات دینا بھی ان دعاۃ کی ڈیوٹی میں شامل ہے۔ اپریل کے شروع میں مکتب جالیات "بیشہ" کے ساتھیوں کا فون آیا: مجاہد صاحب! ہم آپ کو اپنے سالانہ پروگرام میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔ بہت سے احباب آپ سے ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ایک مرتبہ ضرور تشریف لائیں۔ 18 اپریل کو جمعہ کا دن تھا۔ شام کو انھوں نے سالانہ پروگرام رکھ لیا۔ میں نے ان سے کہا: مجھے آپ کے ہاں آنے میں خوشی ہو گی۔ مگر میں واپسی "الباحہ" کے راستے کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں دوس قبیلہ آباد ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ میں ان کی بستی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

مجھ سمیت بہت سارے قارئین سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی جانتے ہیں کہ وہ یمن سے تشریف لائے تھے۔ ان سے پہلے ان کی بستی کے سردار سیدنا طفیل بن عمرو الدوسی مکہ مکرمہ میں اسی علاقے سے آئے تھے۔ میں جب کبھی سوچتا کہ سیدنا ابوہریرہ کی بستی کون سی ہے تو تصور میں یمن کے علاقے میں پہنچ جاتا۔ ایک دن میں نے آئی پیڈ پر گوگل سرچ انجن میں لکھا: «أَيْنَ قَرْيَةُ سَيِّدِنَا أَبِي هُرَيْرَةَ» یعنی سیدنا ابو ہریرہ کا گاؤں کہاں واقع ہے؟ تو جواب ملا کہ ان کی بستی کا نام "الجبور" ہے اور یہ مدینہ الباحہ کے قرب و جوار میں ہے۔ میں خوشی سے چیخ اٹھا، اچھا! تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جس بستی میں رہتے تھے وہ آج کل سعودی عرب میں واقع ہے اور وہاں جانے کے لیے کسی ویزے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اسی وقت نیت کر لی تھی کہ اللہ نے چاہا تو میں اس علاقے کی سیر ضرور کروں گا۔ میں دوس قبیلے کے موجودہ سربراہ سے بھی ملاقات کروں گا۔ میں عربوں کو اور ان کی روایات کو دیکھنا چاہتا تھا جنھیں ہم تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ کیا وہ ابھی تک زندہ ہیں؟ میں جمعہ 18 اپریل 2014ء کو جب بیشہ ایئرپورٹ پر اترا تو برادران محمد یٰسین اور مولوی محمد اسحاق ایئرپورٹ پر استقبال کے لیے موجود تھے۔ برادرم محمد یٰسین مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الحدیث سے فارغ ہیں۔ کوئی بارہ تیرہ سال سے جالیات بیشہ میں مترجم اور داعی کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ یہ کورٹ میں بھی ترجمانی کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ دعوت کا کام بڑی حکمت اور دانش سے انجام دے رہے ہیں۔ پاکستان میں اوکاڑہ کے قرب و جوار کے رہنے والے ہیں۔ اونچے لمبے قد والے مضبوط ڈیل ڈول کے محمد یٰسین پاکستانی کمیونٹی میں خاصے مقبول ہیں۔ یہ کافی سرگرم سوشل ورکر بھی ہیں۔ وہاں کی جیلوں میں بھی ان کے دروس ہوتے ہیں۔ اس لیے قیدیوں کے مسائل سے خوب واقف ہیں۔ سفارت خانہ جدہ کے ذمہ داران بعض اوقات ان کی خدمات اور تعلقات سے



فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کی معرفت انھیں اس علاقے میں رہنے والی پاکستانی کمیونٹی کے حقیقی مسائل سے آگاہی ہوتی رہتی ہے۔

جالیات کے اس سالانہ پروگرام میں آخری مقرر راقم الحروف تھا۔ رات کے نو سوا نو بجے جب میں سٹیج پر آیا تو ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کوئی 45 منٹ کی تقریر میں راقم نے سامعین کو ہمیشہ اچھی امید رکھنے، عمدہ توقعات سے وابستہ رہنے اور آگے بڑھنے پر ابھارا۔ تاریخ سے مثالیں دیں، واقعات بیان کیے کہ اگر آپ آگے نکلنا چاہتے ہیں تو مایوسی کو چھوڑ دیں۔ ہمت سے کام لیں، جدوجہد کریں۔ بلند حوصلگی سے مسائل کا سامنا کریں تو کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ یوں تو میں نے بہت سارے واقعات بیان کیے مگر ایک مختصر سا واقعہ اپنے قارئین کو بطور تحفہ پیش کر کے آگے بڑھوں گا۔

علم کی طلب میں یحییٰ بن یحییٰ اندلس سے امام مالک کے پاس مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور ان کے پاس رہ کر علم حدیث حاصل کرنے لگے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ مدینہ میں ایک شخص ہاتھی لے کر آیا۔ امام مالک کے شاگرد طلبہ ہاتھی دیکھنے کو نکلے اور درس چھوڑ کر چلے گئے۔ یحییٰ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور اپنا سبق پڑھتے رہے، حالانکہ یہ ایک ایسا جانور تھا جو اندلس میں نہیں پایا جاتا اور ان کے لیے ایک انوکھی چیز تھی، استاذ نے پوچھا: یحییٰ! سب لڑکے ہاتھی دیکھنے چلے گئے ہیں تم کیوں نہیں گئے؟ تو استاذ کی خدمت میں نہایت ادب واحترام سے عرض کیا: «إِنِّي قَدْ جِئْتُ مِنْ بَلَدِي لِأَنْظُرَ إِلَيْكَ، وَأَتَعَلَّمَ مِنْ هَدْيِكَ وَعِلْمِكَ وَلَمْ أَجِئْ لِأَنْظُرَ إِلَى الْفِيلِ، فَأُعْجِبَ بِهِ وَسَمَّاهُ عَاقِلَ أَهْلِ الأَنْدَلُسِ» ''میں اپنے وطن اندلس سے آپ کی خدمت میں آپ کو دیکھنے، آپ کے شب وروز جاننے اور علم سیکھنے آیا ہوں، میں یہاں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔ امام مالک کو ان کی بات اچھی لگی اور ان کا نام اندلس کا عقل مند انسان رکھا۔'' (وفیات الأعیان: 144/6، وطبقات الفقهاء: 153/1) اس ترکیز اور محنت کا نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰ اندلس کے سب سے بڑے عالم اور فقیہ بنتے ہیں اور ان کے علم سے ایک خلق کثیر مستفید ہوتی ہے۔

پروگرام کے بعد سامعین میں سے اعلیٰ کارکردگی دکھانے والوں میں انعامات کی تقسیم کا سلسلہ خاصی دیر چلتا رہا۔

اگلے دن صبح سویرے ہمیں الباحہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ پروگرام کے مطابق ہمیں ناشتہ وہاں پہنچ کر کرنا تھا۔ وہاں ساتھی انتظار کر رہے تھے۔ ہم نکلنے لگے تو برادرم یٰسین صاحب چائے اور ہلکا پھلکا ناشتہ لے آئے۔ ہمیں الباحہ پہنچنے میں کوئی ڈھائی گھنٹے لگ گئے۔ وہاں کے احباب خصوصاً حافظ محمد سرور نے اس کثرت سے فون کیے کہ مجھے شرم محسوس ہونے لگی..... یا اللہ! لوگ اتنی زیادہ محبت کرتے ہیں۔

الباحہ میں بھی ایئرپورٹ ہے، شام کو میری واپسی الباحہ سے ہی تھی۔ یہ شہر خاصا بڑا ہے۔ میں آج سے دو سال قبل سیاحت کے لیے یہاں آچکا ہوں۔ یہاں کا درجہ حرارت گرمیوں میں بڑا عمدہ اور معتدل ہوتا ہے۔ ہم جالیات کے دفتر پہنچے تو جالیات کے نائب مدیر احمد الزہرانی، الباحہ میں مقیم قراء حضرات اور دیگر پاکستانی دوستوں نے استقبال کیا۔ الباحہ کا مرکز جالیات بہت بڑا ہے۔ اردگرد کے مختلف دیہاتوں میں جالیات کے کم و بیش تیس سے زائد مراکز کام کر رہے ہیں۔ محترم احمد الزہرانی نے پورا دفتر بڑے شوق سے دکھایا۔ ایک ایک چیز اور مکتب کی سرگرمیوں کے بارے میں تفصیلی بریفنگ دی۔ مجھے سب سے زیادہ جس چیز نے متاثر کیا وہ خواتین کے سیکشن کی کارکردگی تھی۔ اس وقت وہ سیکشن خالی تھا۔ بہنیں شام کے وقت آتی ہیں۔ اللہ ہماری سعودی بہنوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی ہجرت اور آپ کی سیرت کے موضوع پر خوب کام کیا ہوا تھا، چونکہ میں بھی پاکستان میں اسی قسم کے منصوبے پر کام کر رہا ہوں، اس لیے میں نے ان کے کام سے خوب استفادہ کیا۔ ان کے افکار اور اعمال کو اپنے کیمرے میں محفوظ کر لیا۔

الباحہ کے جالیات میں ناشتہ بہت ہی مزیدار تھا۔ ساتھیوں نے بڑا دسترخوان لگا دیا۔ ہم کوئی پندرہ سے اٹھارہ ساتھی تھے۔ کہنے لگے: ''الباحہ'' میں فول بہت زیادہ مزیدار بنتا ہے۔ واقعی بہت لذیذ فول تھا۔ دسترخوان پر صرف فول ہی نہیں اور بھی بہت ساری اشیاء تھیں۔ ادھر عبدالمحسن صاحب کا بار بار فون آ رہا تھا کہ آپ کب آ رہے ہیں؟ ساتھیوں نے بڑی محبت کے ساتھ رخصت کیا۔ کچھ لوگ ہمارے ساتھ اس علاقے کو دیکھنے کے لیے چل پڑے۔ مولوی



اسحاق صاحب راستوں کے ماہر ہیں۔ وہ گزشتہ سترہ اٹھارہ سال سے کتب کی توزیع کا کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ایک زمانے میں جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں پڑھتے تھے۔ مولانا عبداللہ رحمہ اللہ کے شاگرد خاص رہے ہیں۔ پہلوانوں جیسا مضبوط کسرتی جسم، لمبا قد، لمبی داڑھی، دعوت کے کام میں بڑے متحرک..... راستے میں ہمیں مختلف واقعات سناتے رہے۔ وہ مولانا عبداللہ صاحب کے واقعات بڑے ذوق وشوق سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں ہمیں کسی سے راستہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہمارا رخ مغرب کی طرف تھا۔ چوڑی چکلی دورویہ سڑک کے ذریعے ''المندق'' کے علاقے سے گزر کر ہمیں آگے جانا تھا۔ المندق بہت بڑا شہر نظر آیا۔ یہ الباحہ سے کوئی 80 کلومیٹر کے فاصلے پر ہوگا۔ رسول کریم ﷺ کے عہد میں ''ذوالخلصہ'' نامی بت اسی علاقے میں تھا۔

زمانہ جاہلیت میں دوس، بجیلہ، خثعم، ازد، زبید اور دیگر قبائل اس بت کی پوجا کرتے تھے۔ مؤرخین کے مطابق ''الخلصۃ'' ایک عورت کا نام تھا، اسی لیے اسے ''ولیہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ اس بت کو یمن کا کعبہ بھی کہا جاتا تھا۔ جب عرب اس کی پوجا پاٹ کے لیے آتے تو بت کو نذرانے پیش کرتے، اس کے لیے اپنے گھروں سے گندم اور جو وغیرہ اپنے ہمراہ لاتے۔ ذوالخلصہ کے لیے جانور ذبح کرتے اور اس کے اوپر دودھ گراتے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر قبیلے نے زمانہ جاہلیت میں اپنا اپنا کعبہ بنا رکھا تھا۔ بعض علماء کے نزدیک ایسے کعبہ جات کی تعداد 21 تک جا پہنچتی ہے۔ مثلاً: طائف میں ''لات'' کا کعبہ تھا۔ غطفان کا کعبہ، نجران کا کعبہ وغیرہ۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اہل دوس اس بت کا طواف اسی طرح کرتے تھے جس طرح مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کا طواف کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ تیروں کے ذریعے فال نکالتے۔ امرؤالقیس کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے باپ کو بنواسد نے نجد کے علاقے میں اغوا کر کے قتل کر دیا تھا۔ امرؤالقیس نے قسم کھائی کہ وہ جب تک بنواسد سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ نہ لے لے تب تک غسل کرے گا نہ شراب پیے گا۔ پھر وہ ذوالخلصہ کے پاس آیا۔ اس کا طواف کیا اور پھر اس کے قریب بیٹھ کر تیروں سے فال نکالنے لگا کہ کیا میں اپنے باپ کا بدلہ لوں یا نہ لوں؟ اس کے پاس تین قسم کے تیر تھے۔ جن کے نام الزاجر، الآمر اور المتربص تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ فال الآمر یا المتربص کے نام کا نکلے، مگر اس کا فال الزاجر کے نام نکلا، یعنی یہ کام نہ کرو۔ اس نے غصے میں آ کر ایک پتھر اٹھا کر صنم کو دے مارا اور اسے گالی دیتے ہوئے کہنے لگا: «اغْضُضْ بَظْرَ أُمِّكَ» اور وہاں سے چل دیا۔ (المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: 53/6، والروض الأنف: 174/1)

قارئین کرام! میں نے آپ کو اس بت کے بارے میں اس لیے قدرے تفصیل سے بتایا ہے کہ اس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی ایک بڑی مشہور حدیث ہے جو میں آگے چل کر آپ کو سناؤں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب مکہ مکرمہ فتح کیا تو کتنے ہی وفود آپ کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا۔ ان میں جریر بن عبداللہ البجلی بھی تھے۔ یہ قبیلہ بجیلہ کے سردار تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ ان کا گاؤں سیدنا ابوہریرہ کے گاؤں سے کوئی تیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ان کا قبیلہ بھی ذوالخلصہ کی پوجا کرنے والوں میں شامل تھا۔ جب یہ اسلام لے آئے تو آپ ﷺ نے ان کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ اپنے قبیلہ میں واپس جائیں اور ذوالخلصہ کو پاش پاش کر دیں، چنانچہ یہ کم وبیش ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ اس بت کو ڈھانے کے لیے اس علاقہ میں آئے۔ مقامی لوگوں نے ان کی خوب مزاحمت کی۔ بنوخثعم قبیلے سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے سخت معارضہ کیا، لڑائی ہوئی اور مؤرخین کے مطابق کوئی دوسو افراد قتل ہوئے۔ مجاہدین اسلام نے جب بتوں کا دفاع کرنے والوں پر غلبہ پا لیا تو اس بت کو گرانا شروع کیا۔ یہ بت بہت بڑا اور قوی ہیکل تھا۔ جب اسے توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو آگ لگا دی۔ اس موقع پر بت کی حفاظت کرنے والے اور اس کے گدی نشین قتل کر دیے گئے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیادیں پھر بھی قائم رہیں۔ اسلام کے غلبے کے بعد یہاں پر مسجد بنا دی گئی۔

اب میں آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کی ایک حدیث سناؤں گا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَضْطَرِبَ أَلَيَاتُ نِسَاءِ دَوْسٍ عَلَى ذِي الْخَلَصَةِ» ''قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک دوس قبیلے کی عورتیں پہلو ہلا ہلا کر ''ذوالخلصہ'' بت کے ارد گرد طواف نہ کر لیں۔'' (صحیح



البخاري: 7116، وصحيح مسلم: 2906)

اللہ کے رسول ﷺ کے صدیوں بعد آہستہ آہستہ اس علاقے میں پھر سے بدعت وشرک پھیلنا شروع ہوگیا۔ ذوالخلصہ بت کا پھر سے احیاء ہوگیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا حتی کہ مجدد الدعوۃ امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت پورے جزیرہ عرب میں پھیل گئی۔ آل سعود کی حکومت آئی تو انھوں نے ایسے مقامات پر جہاں جہاں شرک و بدعات کا ارتکاب کیا جاتا تھا، ان مراکز کو ختم کر دیا۔ 1921ء اور 1925ء کے درمیان شاہ عبداللہ آل سعود کے والد گرامی شاہ عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ نے اس علاقے کے گورنر عبدالعزیز آل ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ اس بت کو ڈھا دیں۔ اس بات کا اہتمام کریں کہ اس کی بنیادیں بھی ختم ہو جائیں۔ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ یہ بت بہت بڑا اور مضبوط تھا۔ چنانچہ قوی لوگوں کی ایک ٹیم جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر آتی ہے اور نہایت مہارت سے اس کی بنیادوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اس ٹیم کے ایک ممبر کا کہنا ہے کہ اس بت کی بنیادیں اتنی گہری اور مضبوط تھیں اور اس کے لیے اتنے بڑے بڑے پتھر استعمال کیے گئے تھے کہ ایک ایک پتھر کو دس دس آدمی اٹھاتے تھے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ صدیوں پہلے اس بت کے معمار کتنے اعلیٰ کاریگر تھے اور اپنے معبود بتوں پر وہ لوگ کس قدر فراخ دلی سے خرچ کرتے تھے۔

قارئین کرام! بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ہمارے برصغیر کے ممالک میں بھی جا بجا ایسے مقامات پائے جاتے ہیں جہاں پر غیر اللہ کی پوجا کی جاتی ہے۔ مزاروں پر نذرانے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، قبروں کو سجدہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: دیکھیں جی! ہم تو بزرگوں کی تعظیم کرتے ہیں۔

مجھے ساتھیوں نے کہا تھا: اگر آپ کو وقت ملے تو بے شک ذوالخلصہ والی جگہ کو بھی ضرور دیکھتے جانا، مگر ہمارے پاس وقت کی قلت تھی۔ اتنا ہی کافی تھا کہ ہم المندق کے علاقے سے گزر کر "الخاجہ" پہنچ رہے تھے۔ برادرم حافظ عبدالمحسن اپنی گاڑی لیے راستہ میں ہماری رہنمائی کے لیے کھڑے تھے۔ اب ہم ان کی رہنمائی میں الخاجہ کی طرف رواں دواں تھے۔ سڑک دو رویہ تھی اور راستے میں بڑے خوبصورت نظارے تھے۔ سڑک کے کنارے قدیم ثقافت پر مبنی عمارتیں بنی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ الخاجہ قدرے اونچی جگہ پر تھا۔ ایک بڑے سے گھر میں عبدالمحسن نے گاڑی داخل کی تو ہم بھی ان کے پیچھے چل دیے۔ گاڑی سے نیچے اترے تو معلوم ہوا کہ یہی ان کا گھر ہے اور ہمیں اسی جگہ تھوڑی دیر کے لیے رکنا ہے۔ اس بستی میں بھی جالیات کا دفتر ہے۔ ہم بیٹھے ہی تھے کہ مقامی جالیات کے نائب مدیر شیخ عبداللہ بن قعود الدوسی الزہرانی آ گئے۔ تعارف ہوا۔ وہ اپنے ساتھ قہوہ اور کھجوریں لائے تھے۔ عبدالمحسن نے دسترخوان پر خشک میوہ جات چن دیے۔ مجھے اس قہوہ کی جو خوبی نظر آئی وہ اس میں زنجبیل کا استعمال تھا۔ ادرک کے پاؤڈر کو عربی زبان میں زنجبیل کہتے ہیں۔ صحت کے لیے زنجبیل بلاشبہ اپنے اندر نہایت عمدہ اثرات وفوائد رکھتی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ کی بستی "الجبور" یہاں سے کوئی پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ میں نے مکان پر نظر دوڑائی، چار کمروں پر مشتمل یہ گھر خاصا کھلا تھا۔ عبدالمحسن کی فیملی بھی ان کے ساتھ رہتی ہے۔ چھوٹا سا خوبصورت بچہ بھی عبدالمحسن کی گود میں تھا، جو ادھر ادھر اچھل کود کر رہا تھا۔ جس جگہ ہم نے گاڑیاں کھڑی کی تھیں وہ اس گھر کا صحن تھا۔ میں نے کرایہ پوچھا: کہنے لگے: اس کا کرایہ صرف چار ہزار ریال سالانہ ہے۔ میں نے "یابلاش" کا نعرہ لگایا تو کہنے لگے: الحمدللہ! یہ کرایہ بھی ہمارے مدیر کے بھائی ادا کرتے ہیں۔ گویا یہ رہائش میرے لیے مفت ہے۔

میں شیخ ابو اسامہ عبداللہ بن قعود الدوسی کی گاڑی میں بیٹھ گیا تاکہ راستے میں ہم گفتگو کرتے جائیں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ یہ سرزمین اس لحاظ سے بھی معروف ہے کہ یہاں صرف سیدنا ابوہریرہ ہی پیدا نہیں ہوئے بلکہ سیدنا طفیل بن عمرو اور سیدنا معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی بھی اسی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ سیدنا معیقیب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مہر کے امین تھے، جس کے اوپر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ اوپر اللہ نیچے رسول اور اس کے نیچے محمد لکھا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی میں یہ مہر انھی کے پاس رہتی تھی۔ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق نے بھی انھیں اسی منصب پہ برقرار رکھا۔ سیدنا فاروق اعظم کا دور آیا تو انھوں نے بھی ان پر بھرپور اعتماد کیا اور مہر انھی کے پاس رہنے دی۔ عہد فاروقی کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آتا ہے تو انھوں نے بھی اپنی پیش رو عظیم شخصیات کی اتباع میں مہر سیدنا معیقیب ہی کے پاس رہنے دی۔ روایات



کے مطابق بئر عثمان میں آپ ﷺ کی مہر جب کنویں میں گری تو وہ انھی کے ہاتھوں سے گری تھی، جو باوجود تلاش کے آج تک نہیں مل سکی۔

میں نے کئی مرتبہ غور کیا کہ مہر کی حفاظت کے لیے ایک شخص کی باقاعدہ ڈیوٹی لگائے جانے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی تو معلوم ہوا کہ دراصل یہ سارا اہتمام ان قبائل کو اعزاز بخشنے کے لیے تھا۔ اس قبیلے کے لوگ آج کے دن تک اس اعزاز کو فخریہ طور پر بیان کرتے ہیں۔

ان تینوں کے علاوہ سیکڑوں کی تعداد میں دیگر صحابہ بھی یہاں کے رہنے والے تھے۔ سب سے پہلے دوس قبیلے کے جس فرد نے مکہ میں اسلام قبول کیا وہ طفیل بن عمرو تھے۔ یہ دوس کے سردار تھے۔ اس علاقے میں اب دوس قبیلے سے تعلق رکھنے والوں کی تیس سے زیادہ بستیاں ہیں۔ میں تصور میں طفیل بن عمرو کو دیکھ رہا ہوں جو نبوت کے گیارہویں سال مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ شریف النفس انسان عمدہ شاعر تھا۔ مکہ پہنچے تو اہل مکہ نے ان کا بھرپور استقبال کیا۔ قبیلہ دوس عرب کے اہم قبائل میں سے تھا۔ اہل مکہ کی ان سے رشتہ داریاں تھیں۔ بلکہ ابوسفیان کے ایک بیٹے کی شادی بنو دوس کی ایک خاتون سے ہوئی تھی۔ مکہ والے سیدنا طفیل سے کہنے لگے: آپ ہمارے شہر تشریف لائے ہیں، ہمیں بہت خوشی ہے، مگر یہاں ایک شخص ہے جس سے آپ کو بچ کر رہنا ہوگا، کیونکہ اس نے ہماری جمعیت بکھیر کر رکھ دی ہے اور ہمارا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ اس کی گفتگو بھائی کو بھائی سے اور شوہر کو بیوی سے جدا کر دیتی ہے۔ آپ اس سے ملیے گا نہ ہی گفتگو کیجیے گا۔ طفیل قریش کی باتوں میں آ جاتے ہیں۔ کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی بات ان کے کان میں نہ پڑ جائے، مگر مشیت الٰہی ان کی ہدایت کا فیصلہ کر چکی تھی۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی چند باتیں کسی طرح ان کے کان میں پڑ گئیں، یہ باتیں انھیں بڑی عمدہ لگیں۔ دل میں کہنے لگے: طفیل! تم نہایت سمجھ دار آدمی ہو۔ تم شاعر ہو اور اپنے قبیلے کے سردار بھی ہو، تم کوئی عام آدمی یا غربت وافلاس میں پلنے والے بچے تو نہیں ہو کہ اپنے برے بھلے کی تمیز نہ کر سکو، تم تو ناز ونعم میں پلے ہوئے انسان ہو۔ تم صحیح اور غلط کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ کہتے ہیں: یہ سوچ کر میں اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے چل دیا اور ان کی اجازت سے آپ ﷺ کے ساتھ ہی ان کے گھر میں داخل ہو گیا۔ آپ سے گفتگو کی، قرآن کریم سنا اور وہیں اسلام قبول کر لیا۔ اب انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی: میں اپنی قوم کا سردار ہوں، میری بات مانی جاتی ہے۔ اللہ سے دعا فرمائیں کہ جب واپس اپنے قبیلے میں جاؤں تو اللہ مجھے کوئی نشانی دے دے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

طفیل جب واپس اپنی بستی کے قریب پہنچے تو ان کے چہرے پر چراغ جیسی روشنی ہو گئی۔ انھیں خوف ہوا کہ قبیلے کے لوگ اسے ''مثلہ'' کہیں گے۔ یعنی چہرے کی اس چمک اور سفیدی کو بیماری نہ سمجھ لیں، انھوں نے اللہ سے دعا کی تو یہ روشنی ان کی لاٹھی پر منتقل ہو گئی۔ اپنی بستی میں اس شان سے داخل ہوئے کہ ان کا عصا روشنی سے چمک رہا تھا۔ والد اور بیوی کو اسلام کی دعوت دی تو دونوں مسلمان ہو گئے۔ ان کی تبلیغ کے نتیجے میں سیدنا ابوہریرہ بھی مسلمان ہوتے ہیں، تاہم ان کے قبیلے کے دوسرے لوگوں نے ان کی بات نہ مانی اور خاصی تاخیر سے مسلمان ہوئے۔

''الجبور'' کا راستہ قدرے دشوار گزار تھا۔ ہر چند کہ سڑک پختہ تھی، مگر پھر بھی کافی اونچ نیچ کا سامنا کرنا پڑا۔ آج موسم بڑا عمدہ تھا۔ یہاں کا معتدل موسم دیکھ کر پاکستان کا سوات یاد آ گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ شدید گرمی میں بھی یہاں کا موسم معتدل ہوتا ہے۔ یہاں ایئر کنڈیشنر کی ضرورت نہیں ہوتی، بس پنکھا ہی کفایت کر جاتا ہے، تاہم لوگوں نے فیشن کے طور پر ایئر کنڈیشنر لگوا رکھے ہیں۔ ہماری گاڑی کبھی اوپر چڑھتی کبھی نیچے اترتی۔ کوئی پندرہ بیس منٹ بعد ہم ایک وادی میں پہنچ گئے۔ یہی ''الجبور'' تھا اور اسی بستی کو سیدنا ابوہریرہ کی بستی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہاں خاصی ہریالی تھی۔ چاروں طرف پہاڑ تھے، مگر اونچے نہ تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ پہاڑوں پر چڑھنے والا کوئی پندرہ، بیس منٹ میں اوپر چڑھ جاتا ہے۔ یہ پہاڑ بھی خاصے سرسبز نظر آئے۔ وادی کے اندر بھی خاصا سبزہ تھا۔ کھیت بھی نظر آئے۔ وادی کے وسط میں پرانے قلعہ کی نشانی نظر آ رہی تھی۔ پرانے دور میں چونکہ لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اس لیے ہر بستی میں قلعہ ہوتا تھا۔ اب اس قسم کے قلعہ جات کو نشانی کے طور پر جگہ جگہ بنایا گیا ہے۔ گویا یہ پرانے قلعوں کی یاد دلاتا ہے۔ شیخ عبداللہ بن قعود یہاں پر سکول ٹیچر ہیں۔



اس علاقے کے بیشتر لوگ بڑے شہروں ریاض، جدہ، مکہ مکرمہ، طائف، مدینہ منورہ، دمام، الخبر اور تبوک وغیرہ میں منتقل ہو چکے ہیں، مگر وہ اپنے آبائی گاؤں سے رشتہ برقرار رکھتے ہیں۔ سعودی عرب میں اکثر سعودی سرکاری ملازم یا تجارت پیشہ ہیں۔ ہنرمند لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ سرکاری ملازمت بڑی آسانی سے مل جاتی ہے۔ معقول تنخواہ کی وجہ سے لوگ ہنرمندی سے گھبراتے ہیں۔ سکول میں اب صرف 35 طلبہ ہیں۔ جن کو پڑھانے کے لیے دس سے بارہ اساتذہ ہیں۔ شیخ عبداللہ بن قعود مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر بھی ہیں۔ پہلے یہ جدہ میں تھے۔ ان کے بوڑھے والدین کو اپنا آبائی علاقہ چھوڑنا پسند نہیں اس لیے وہ جدہ منتقل نہ ہوئے۔ شیخ عبداللہ نے والدین کی خدمت کی غرض سے جدہ کی نوکری کو خیر باد کہا اور اپنے والدین کے ساتھ فارم ہاؤس میں مقیم ہیں۔ شیخ کہہ رہے تھے: اگر آپ کے پاس وقت ہوتا تو میں آپ کو اپنے والد سے ضرور ملواتا۔ آپ کو اپنے فارم ہاؤس لے جاتا۔ فارم ہاؤس بہت خوبصورت ہے، آپ کو بڑا پسند آتا۔ میں نے کہا: آپ کے ہاں زمین تو زیادہ ہموار نہیں ہے۔ چھوٹی بڑی پہاڑیوں کے درمیان وادیوں کے اندر ہی کھیت ہیں۔ بلاشبہ بارشیں ریاض کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لیے ہریالی ہے، مگر یہ تو بتائیں کہ یہاں زمین کے ریٹ کیا ہیں؟ کہنے لگے: شیخ مجاہد! سچ پوچھیں تو یہاں پر زمین برائے فروخت میسر نہیں۔ ہمارے ہاں آباء واجداد کی زمین کو فروخت کرنا عیب سمجھا جاتا ہے۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین فروخت کرتا ہے۔ میرے اصرار پر جب انھوں نے زمین کے ریٹ بتائے تو یہ ریاض کے مقابلہ میں خاصے کم تھے۔

''الجبور'' کے وسط میں سکول کے قریب ہم گاڑی سے نیچے اترے، استاذ عبداللہ نے بستی کے سربراہ ابومہدی کو فون پر بتا دیا تھا کہ ہم پہنچ گئے ہیں اور سکول کے قریب کھڑے ہیں۔ وہ اپنی گاڑی چلاتے ہوئے خود ہی آ گئے اور ہمارا استقبال کیا۔ وہ مسلسل کہہ رہے تھے: اللّٰہ حیّی اللّٰہ حیّي۔ یعنی اللہ تمھیں زندہ سلامت رکھے، اللہ تمھیں زندہ سلامت رکھے۔ وہ ہر ایک کو گلے لگاتے چلے گئے۔ ہم کوئی بارہ یا تیرہ افراد تھے۔ انھوں نے ہمیں اپنی گاڑی میں بٹھایا اور اپنے گھر کو چل دیے۔ کوئی پانچ چھ منٹ میں ہم ان کے گھر پہنچ گئے۔ وہ بار بار مجھے اللّٰہ حیّی اللّٰہ حیّي کہہ رہے تھے۔ ان کا گھر قدرے اونچی جگہ پر تھا۔ ان کا بڑا کھلا سا حویلی نما گھر اس بات کی اطلاع دے رہا تھا کہ وہ اپنے قبیلے کے سربراہ یا اس کی سرکردہ شخصیت ہیں۔ ساتھیوں نے گاڑیاں ان کے گھر کے صحن میں پارک کیں اور ہم ابومہدی کی رہنمائی میں ان کی مجلس میں داخل ہوئے۔ ان کا گھر خاصا بڑا تھا۔ ابومہدی کا پورا نام صالح بن احمد عبید الدوسی الزہرانی ہے۔ یہ سکول ٹیچر تھے۔ کہنے لگے: میں حال ہی میں ریٹائر ہوا ہوں۔ میرے بارے میں وہ جان چکے تھے کہ میں ان کے ہاں کیوں آیا ہوں؟ کہنے لگے: ہمارے قبیلے کی روایات ہیں کہ جب ہمارے ہاں مہمان آتا ہے تو ہم تین دن تک اس سے بات نہیں کرتے۔ اسے مہمان خانے میں اتارتے ہیں۔ اس کی خوب خدمت مدارت کرتے ہیں۔ تین دن کے بعد اس سے پوچھتے ہیں کہ آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں اور ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم ہمیں اطلاع دیے بغیر آئے ہو۔ آپ لوگوں کے آنے سے تھوڑی دیر قبل مجھے آپ کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس لیے پہلی بات یہ ہے کہ میں آپ سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس دوران ان کا بھتیجا قہوہ اور کھجوریں ہمیں پیش کر چکا تھا۔ میرے ایک ساتھی نے انھیں بتایا کہ مجاہد صاحب کی آج شام سات بجے الباحہ سے واپسی کی فلائٹ ہے۔ میں نے بورڈنگ پاس دکھایا۔ اب میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا: آپ کے قبیلے کی روایات کیا ہیں؟ انھوں نے کہا: سب سے پہلی بات تو یہ ہے تم نے ہمارے خاندان کی روایات کو توڑا ہے۔ پہلے تو تین دن تک مہمان خانے میں آرام کرو، پھر بات کریں گے۔ اس پر محفل میں زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

ابومہدی نے اب رسمی طور پر گفتگو کا آغاز کیا، کہنے لگے: میں اپنے بھائیوں کی بلاد الزہرانی میں تشریف آوری پر خیر مقدم کرتا ہوں۔ ہمارے گاؤں ''الجبور'' میں آنے پر آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ کہنے لگے: عرب دو بڑے قبیلوں میں منقسم ہیں۔ ایک تو عدنانی اور دوسرے قحطانی۔ عدنانی قبائل اللہ کے رسول ﷺ کے جد امجد تھے اور یہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ قحطانی یمن کے علاقوں کے رہنے



والے تھے۔ طائف کے جنوب میں جو لوگ بستے تھے انھیں یمانی کہا جاتا تھا۔

قحطان سے جن قبائل نے جنم لیا ان میں نمایاں نام بنوازد کا ہے۔ انھی میں سے قبیلہ بنودوس بھی ہے۔ پھر دوس کی بھی کتنی ہی شاخیں ہیں۔ انھی میں ہم لوگ ہیں جو بنوفہم سے ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہمارے قبیلے کے جدامجد تھے۔ ہمارے گھروں کے اوپر جنوب مغرب کی طرف آپ کو بڑا پہاڑ نظر آ رہا ہے۔ وہ جبل العرنین ہے۔ شاعروں نے اس پر زمانہ جاہلیت میں کتنے ہی اشعار کہے ہیں۔ یہاں سے ذرا اوپر سروات کے پہاڑ اور وادیاں ہیں۔ ہمارے قبیلے کی کچھ روایات ہیں جن پر صدیوں سے ہمارے آباء واجداد کاربند چلے آ رہے ہیں۔ عربوں کے ہاں مہمان نوازی صدیوں پرانا وصف چلا آ رہا ہے۔ اب تو الحمدللہ! شاہ عبدالعزیز آل سعود کے دور سے پورے سعودی عرب میں دولت کی ریل پیل ہے۔ غربت وافلاس ختم ہو گیا ہے۔ آل سعود کی حکومت سے پہلے ہمارے قبیلے کے دو گھرانے بطور خاص مہمان نوازی اور کرم کے لیے مشہور تھے۔ یمن سے حجاج آتے تو بنودوس ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیتے۔ حجاج کے آتے اور جاتے وقت ان کی ضیافت اور مہمان نوازی اس طرح دل کھول کر کی جاتی تھی کہ یمن کے لوگ کہتے تھے: ہم لوگ فقر اور افلاس کے مارے اس علاقے میں آتے ہیں تو ہمیں اس قدر وافر مقدار میں کھانے کھلائے جاتے ہیں کہ ہمارے وزن بڑھ جاتے اور پیٹ باہر نکل آتے ہیں۔ جن دو گھرانوں کا انھوں نے ذکر کیا ان کے بارے میں بتایا کہ وہ موسم حج سے مہینوں پہلے ہی حجاج کا استقبال کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ ان میں سے ایک کو رئیس قبیلہ کا منصب پیش کیا گیا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہمارے ہاں حجاج آتے جاتے ہیں ہم ان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم رئیس قبیلہ بن گئے تو پھر حجاج کی خدمت نہیں کر سکیں گے۔

ان گھرانوں میں کوئی ڈیڑھ دو میٹر لمبا چوڑا تھال پورا سال بچھا رہتا تھا۔ اسے کبھی اپنی جگہ سے اٹھایا نہیں جاتا تھا۔ مہمان آتے تو اس میں سے کھانا نکال کر کھاتے جاتے۔ کھانا جب ختم ہو جانے کے قریب ہوتا تو اس میں مزید ڈال دیا جاتا۔

ابومہدی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: شیخ عبدالمالک! روٹی اتنی بڑی اور زیادہ ہوتی تھی کہ ایک آدمی اسے اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اب بھی شادیوں پر ہماری عورتیں یہ روٹی پکاتی ہیں۔ پتھر کی سل کے نیچے آگ جلائی جاتی ہے۔ سل پر کوئی دو تین میٹر لمبی روٹی پکائی جاتی ہے۔ خاندان کے بوڑھے لوگ عبادت میں بہت آگے تھے۔ فرائض کے علاوہ نماز تہجد اور نفلی روزوں کا اہتمام اس طرح ہوتا تھا جس طرح فرض نمازوں یا روزوں کا ہوتا ہے۔ ہماری خواتین حجاب کا اہتمام کرتی چلی آئی ہیں۔ آج بھی اس کا شدید اہتمام موجود ہے۔ جیسے جیسے دولت میں اضافہ ہو رہا ہے لوگ ان علاقوں سے ہجرت کر گئے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ جب یہاں بھوک اور افلاس تھا۔ خود ہم نے اپنے بچپن میں بڑا مشکل دور دیکھا ہے، اس وقت یہ سہولتیں کہاں میسر تھیں جو اس وقت ہمیں فراوانی سے مل رہی ہیں۔ اب اللہ کے فضل وکرم اور آل سعود کی حکومت کی برکت سے حالات بہت بہتر ہو گئے ہیں۔ دنیا بھر کی سہولتیں ہمارے پاس ہیں۔

یہ ابو اسامہ عبداللہ جو تمھیں اپنے ہمراہ لے کر آیا ہے اس کا والد اور میں کلاس فیلو تھے۔ ہر چند کہ لوگ اب یہاں سے چلے گئے ہیں، مگر انھوں نے اپنے اصلی وطن سے رشتہ نہیں توڑا۔ یہ لوگ گرمیوں کی چھٹیوں میں واپس آ جاتے ہیں۔ یہ علاقے پھر سے آباد ہو جاتے ہیں۔ میں یہاں پر امام مسجد بھی ہوں، جمعہ کا خطبہ بھی دیتا ہوں۔ میرے پانچ بیٹے ہیں۔ الحمدللہ! میری کوئی بیٹی نہیں، مگر بیٹیاں تو گھر کی رونق ہوتی ہیں، میں نے اسے ٹوکا۔ کہنے لگا: ہاں، ہاں، آپ نے درست کہا، واقعی بیٹیوں کی اپنی مسرت اور رونق ہوتی ہے۔ اب میری پوتیاں ہیں، انھیں دیکھ دیکھ کر ہم خوش ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس کئی ایک مزرعے ہیں، جن میں فروٹ اور فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔ یہاں کا انار دنیا کا سب سے عمدہ انار ہے۔ دیگر اقسام کا فروٹ بھی پیدا ہوتا ہے۔ ابو مہدی فصیح عربی بول رہے تھے۔ عبداللہ بن قعود کہنے لگے: ہم لوگ عربی زبان کو ابھی تک اس کی اصلی صورت میں سنبھالے ہوئے ہیں۔

گفتگو کا رخ پرانے دور کے سفری حالات کی طرف مڑ گیا۔ ابو مہدی کہنے لگے: زمانہ قدیم میں یہاں سے مکہ مکرمہ جانے کے لیے پانچ دن لگتے تھے۔ تین دن یہاں سے طائف



تک اور دو دن طائف سے مکہ مکرمہ تک لگتے تھے۔ میرے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ زمانہ قدیم کے عرب بچوں کی تربیت پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔ انھیں مکہ مکرمہ سے باہر دودھ پلانے کی غرض سے اس لیے بھیجا جاتا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں پوری دنیا سے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں۔ مختلف علاقوں، قوموں اور نسلوں کے لوگ حج کے لیے آتے ہیں۔ اس لیے ان کی زبان میں وہ فصاحت و بلاغت نہیں ہوتی جو بادیہ نشینوں میں ہوتی ہے۔ وہ بچوں کو بہادر اور قوی دیکھنا چاہتے تھے۔ مائیں اس دور میں بھی اپنے بچوں کو اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھیں، مگر وہ شروع دن سے ذہنی طور پر اس بات کے لیے تیار اور آمادہ ہوتی تھیں کہ انھیں اپنے بچوں کو بہادر و شجاع اور فصیح و بلیغ انسان بنانا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ مائیں دودھ پلانے والی عورتوں کے پاس خود بھی آتی جاتی ہوں گی اور اپنے بچوں کی خیریت دریافت کرتی ہوں گی۔

ابو مہدی نے مجھے تلقین کی کہ دوس قبیلے کے اصل سردار شیخ خزران بن خراج ہیں جو ریاض میں قیام پذیر ہیں۔ انھوں نے مجھے ان کا فون نمبر دیا اور کہا کہ میں ان سے ریاض میں ضرور ملوں۔ وہ مجھے دوس قبیلے کے بارے میں مزید معلومات دیں گے۔ (میں نے ان سے فون پر بات کر لی ہے۔ ان شاء اللہ! عنقریب ان سے ملاقات ہو گی۔) ہم نے گھڑیوں کی طرف دیکھا، خاصا وقت گزر چکا تھا۔ مجھے برادرم عبدالمحسن نے اشارہ دے دیا تھا کہ دوپہر کا کھانا ہمیں ابو اسامہ عبداللہ الزہرانی کے گھر پہ کھانا ہے وہاں کھانا ہمارے انتظار میں ہے۔ ہم نے اجازت چاہی تو ابو مہدی کا اصرار تھا کہ تم نے ہمارے پاس دوبارہ ضرور آنا ہے اور ہمارے ساتھ وقت گزارنا ہے۔ آج تم بغیر پیشگی اطلاع کے اچانک آئے ہو۔ آئندہ زیادہ وقت لے کر اور بتا کر آنا۔

میں تھوڑی دیر اس پرفضا مقام کو دیکھنے لگ گیا۔ میں نے کہا: عبدالمالک! ان پندرہ صدیوں میں بے شمار چیزیں تبدیل ہو گئیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے دور میں نہ تو یہ سڑکیں تھیں، نہ بجلی تھی، نہ پختہ مکان تھے، مگر میں نے جبل العرنین کی طرف دیکھا اور کہا: یہ پہاڑ تو اسی طرح اپنی جگہ موجود ہیں۔ آسمان تو وہی ہے، زمین بھی وہی ہے، علاقہ تو وہی ہے، یہ فضا تو وہی ہے، یہ تو نہیں بدلی۔ ایک ایسی بستی جہاں سے سیکڑوں صحابہ کرام اٹھے، جنھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی تھی۔

ہم گاڑیوں میں بیٹھنے لگے تو ابو مہدی نے ایک ایک ساتھی کو گلے لگا کر اللہ حيّ کہا اور بڑے پرتپاک طریقے سے رخصت کیا۔

اگلے پندرہ بیس منٹ میں ہم دوبارہ ''الخاجه'' آ چکے تھے۔ ایک بڑے ہی خوبصورت بنگلے کی طرف شیخ عبداللہ الدوسی نے اشارہ کر کے کہا: شیخ مجاہد! یہ رہا میرا گھر..... ہماری بستی کے لوگوں میں اب بھی بہت پیار و محبت اور رواداری ہے۔ ہم خود بخود یہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ایک جگہ انھوں نے ایک بورڈ پر نام اور تاریخ لکھی ہوئی دکھائی۔ یہاں شادیوں کی تاریخ لکھی ہوتی ہے۔ لوگ جیسے ہی شادی کی تاریخ مقرر کرتے ہیں، یہاں لکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا اس تاریخ کو شادی نہ رکھے۔ شیخ عبد اللہ کا گھر بڑا ہی خوبصورت ہے۔ اسے قلعہ نما گھر کہہ سکتے ہیں۔ خاصی اونچی اور پرسکون جگہ پر واقع ہے۔ ہم نے گھر کے بڑے صحن میں گاڑیاں کھڑی کیں۔ چند منٹ کے اندر ہی انھوں نے ہمارے لیے کھانا لگوا دیا۔ میں نے دیکھا چار بڑے بڑے تھال تھے جن پر گوشت اور بھنی ہوئی مرغیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے ہمارے اعزاز میں بکرا ذبح کر کے پکایا تھا۔ وہی عربوں کا روایتی انداز، مہمانوں کی عزت و توقیر اور ان کے سامنے گوشت رکھتے چلے جانا ..... بلاشبہ کھانا بڑا ہی لذیذ، مزیدار اور وافر مقدار میں تھا۔ کھانے کے بعد پھل فروٹ بھی وافر مقدار میں تھے۔ ادھر میں بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا کہ برادرم عبدالمحسن نے بتایا: میری اہلیہ آپ لوگوں کے لیے دودھ والی چائے بنا کر انتظار کر رہی ہے۔ چائے آپ سب حضرات میرے گھر پہ پئیں گے۔ وقت کم تھا، مگر میں عموماً ایئر لائن پر آخری مسافر ہونے کا چانس لیتا ہوں۔ ہم نے نمازیں ادا کیں۔ عبدالمحسن کے گھر میں مزیدار چائے نوش کی۔ انھیں اپنی کتاب کا گفٹ پیش کیا اور خوشگوار یادیں لے کر ہم لوگ الباحہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ نو بجے رات میرا بیٹا عبدالغفار مجاہد ریاض ایئرپورٹ پر میرا استقبال کر رہا تھا۔



آیت الکرسی
کے
فضائل وتفسیر

تالیف:
پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

مبحث اول
- قرآن کریم کی عظیم ترین آیت
- آیت الکرسی میں اسم اعظم
- اسے پڑھنے سے شیطان کا دور ہونا
- بعد از نماز پڑھنے سے آئندہ نماز تک حفاظتِ الٰہی
- بعد از نماز پڑھنے والے اور جنت کے درمیان صرف موت کا حائل ہونا

مبحث دوم
- آیت الکرسی کی تفسیر

عمدہ امپورٹڈ کاغذ | رعایتی قیمت -/250 روپے



نیکی کا حکم دینے
اور
برائی سے روکنے میں

خواتین کی ذمہ داری

تالیف:
پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

اس کتاب میں:
- احتساب کے متعلق خواتین کی ذمہ داری
- خواتین کے احتساب کرنے کی اہمیت
- خواتین کے عام لوگوں، اقربا اور معارف کے احتساب کے ۵۷ واقعات
- خواتین کے علماء اور طلبہ کا احتساب کرنے کے ۷ واقعات
- خواتین کے اہل اقتدار کے احتساب کرنے کے ۶ واقعات
- بازار میں بحیثیت خستہ عورت کی تقرری کی ممانعت کے دلائل
- اس بارے میں چند شبہات اور ان کی حقیقت

عمدہ امپورٹڈ کاغذ | رعایتی قیمت -/250 روپے



تقویٰ

اہمیت، برکات، اسباب

تالیف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

اس کتاب کے بنیادی موضوعات

اس کتاب میں توفیق الٰہی سے مندرجہ ذیل موضوعات کے بارے میں قرآن وسنت اور علمائے امت کے فرمودات کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے
- تقویٰ کے لغوی اور شرعی معنی کے متعلق ⑩ علمائے امت کے ارشادات
- قرآن وسنت کی روشنی میں ⑭ پہلوؤں سے تقویٰ کی اہمیت
- قرآن وسنت میں بیان کردہ تقویٰ کی ⑲ برکات
- قرآن وسنت اور اقوال صحابہ سے معلوم ہونے والے تقویٰ کے ⑮ اسباب

عمدہ امپورٹڈ کاغذ | رعایتی قیمت -/200 روپے

تقریبات بخاری و تقسیم انعامات کے لیے ہماری عمدہ اور معیاری مطبوعات

اسلامی لٹریچر کی شہرہ آفاق اور معرکہ آرا کتاب

اعلام الموقعین

تالیف شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ

جس کے مطالعے سے بے شمار متلاشیان حق صراط مستقیم کے راہی بنے۔

"مباحث فقہ وحدیث اور حکمت تشریع اسلامی میں متاخرین کی کوئی کتاب اس درجہ محققانہ اور نافع نہیں جس درجہ یہ کتاب ہے۔"

(مولانا ابوالکلام آزادؒ)

دو جلدوں پر مشتمل | رعایتی قیمت -/850 روپے



محدث العصر امام البانی رحمہ اللہ
کے محدثانہ ذوق کا آئینہ دار
گلستان حدیث سے
صحیح احادیث کا انتخاب

پہلی بار اردو ترجمہ اور فوائد

سلسلۃ

احادیث صحیحہ (اردو)

تحقیق فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ وتبویب و فوائد
استاذ الحدیث ابوالحسن عبدالمنان راسخ حفظہ اللہ
استاذ العلماء ابومیمون محفوظ احمد اعوان حفظہ اللہ

1/3 جلد

عمدہ امپورٹڈ کاغذ | رعایتی قیمت -/1600 روپے



انکارِ حدیث کا نیا روپ

اصلاحی اسلوبِ تدبرِ حدیث

تالیف ——— غازی عزیر

استخفاف حدیث اور استہزاء سنت رسول کی ایک فکری تحریک کا مدلل علمی تعاقب

جاہلیت عرب کی مدد سے تفہیم قرآن کی منازل طے کرنے والے گروہ کے افکار وآراء کا محاکمہ

حدیث شریف کے اساتذہ وطلباء کیلئے بے حد مفید

دو جلدوں پر مشتمل | رعایتی قیمت -/1100 روپے

ملنے کے پتے

دار النور
اسلام آباد
0333-5139853
0321-5336844

مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ ◎ غزنی سٹریٹ ◎ اردو بازار ◎ لاہور

Find us on Facebook
Ph: 42-37230585 , Cell: 0321-4460487
E-mail: maktaba_quddusia@yahoo.com



سچی نماز

ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ (مرسلہ: جمشید انور)

افسوس! مسلمانوں کے غفلت و جمود نے جہاں ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں ان سے ہر قسم کی سربلندیاں اور سرفرازیاں چھین لیں، وہاں ان کے دلوں کی انگیٹھیاں بھی اس درجہ سرد ہوگئی ہیں کہ ان میں اب کوئی چنگاری اور کوئی گرمی باقی نہیں رہی۔ دل کا سوز وگداز، اللہ کے حضور جھکنے کا جذبہ، سچی انابت، سچا عجز، غرض کہ سب کچھ سرد ومحو ہو چکا ہے۔ کون ہے جو نماز کی صحیح لذت اپنی نمازوں میں پاتا ہے اور جب نماز کی لذت ہی نماز سے علیحدہ کر لی گئی، تو پھر وہ ایک جسم ہے جس میں جان نہیں، ایک پھول ہے جس میں خوشبو نہیں، ایک ڈھانچہ اور ہیولیٰ ہے جس میں روح نہیں۔ ایسی نماز بے کار صرف قواعد (مشق) ہوئی اور صرف ٹکریں مارنا بے نتیجہ، بے فائدہ، بے اثر۔

اگر مسلمان صحیح طور پر نماز ادا کرتے ہیں اور ان کی نمازیں، نمازیں شمار ہوتی ہیں تو پھر بتاؤ کہ نماز کی وہ قرآنی برکات جن کا اللہ نے نمازی سے وعدہ کیا ہے کہاں ہیں؟ کیا اللہ کا وعدہ غلط ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا پھر ہماری نمازیں نماز ہی نہیں ہیں۔ یقیناً اللہ کا قانون اٹل، اس کا وعدہ سچا ہے: ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ (الأحزاب 62:33) ﴿وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَه﴾ (الحج 47:22)

اصل یہ ہے کہ دلوں کے چولہے سرد ہوگئے ہیں، اُن میں کوئی گرمی اب باقی نہ رہی، کوئی چنگاری موجود نہ رہی، ورنہ اگر ہماری نمازوں میں سوز وگداز، عجز والحاح ہوتا تو نماز اور دنیا کے ساتھ دین کی کامرانیاں ہماری ہوتیں۔

میں بتاؤں گا کہ کس طریقے سے صرف نماز کی استواری و درستی سے ہمارا دین اور ہماری دنیا بدل سکتی ہے۔ سنو! تم قرآن کی تمام مکی سورتوں کو پڑھ جاؤ، یعنی جن کا زمانہ نزول، زمانہ قیام مکہ تھا اور رسول کریم ﷺ اپنے وطن ہی میں تشریف فرما تھے اور یہی وہ زمانہ تھا جب دعوت وتبلیغ کی پکار مکہ کے کوہساروں سے شروع شروع ٹکرائی تھی بالکل ابتدائے عالم اسلام تھی، اس وقت اسلام و داعی اسلام کی غربت و بے چارگی، بے یاری و بے مددگاری، اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ معدود سے چند مسلمان تھے جو ہر طرف اور ہر طرح سے اعدائے اسلام کے نرغے میں محصور تھے، پورا مکہ اور نہ صرف مکہ بلکہ پورا جزیرۃ العرب ان کے خون کا پیاسا اور جان کا دشمن تھا۔ یار تھا نہ کوئی مددگار، جس طرف نظر اٹھتی تھی مایوسی سے ٹکراتی ہوئی واپس آتی تھی، جس طرف امان و احسان کی تلاش میں نکلتے تھے، مایوسی وحرمانی کے ساتھ واپس آجاتے تھے۔ ایسے عالم کسمپرسی و بیچارگی میں بتاؤ کہ اس وقت ان تمام دردومصائب کا علاج ونسخۂ شفا جو حکیم مطلق نے تجویز کیا تھا، کیا تھا؟ ایک اور صرف ایک یعنی اقم الصلوٰۃ نماز قائم کرو، نماز قائم کرو، حالانکہ اللہ کی اس کشادہ زمین پر ان کو یہ حق بھی نہ تھا کہ کھلے طور پر نماز ہی کے لیے جگہ ملتی مگر دانائے حال نے بجز اس کے اور کوئی دوسرا نسخہ نہیں تجویز فرمایا کہ اقم الصلوٰۃ نماز قائم کرو، نماز قائم کرو۔ یہ اس لیے کہ نماز ہی تمھارے تمام دکھوں کا علاج، ہر درد کی دوا اور ہر زخم کا مرہم ہے۔ وسیع وکشادہ زمین عرب میں سب کے لیے جگہ تھی، سب کو چلنے پھرنے کا بلاقید وشرط حق تھا، مگر تنگ تھی وہ زمین تو ان چند ہی پرستارانِ حق و توحید کے لیے۔ وہ کون سی جسمانی وروحانی تکلیف وایذا تھی جو ان کو نہ دی گئی یا ان کے لیے نہ تجویز کی گئی ہو۔ بالآخر جب شدتِ تکلیف وایذا رسانی



نماز کی روح اور اس کی حقیقت

ابوزید اقبال صدیق المدنی

① امام ابن القیم رحمہ اللہ عوام الناس خصوصاً مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہیں: ''لوگو! نماز کا اصل راز، اس کی روح اور اس کا خلاصہ اس بات میں ہے کہ بندہ نماز میں اپنے رب کی طرف مکمل دھیان اور توجہ کرے۔ جس طرح بندہ دوران نماز اپنے چہرے کو قبلے کی جانب رکھتا ہے کسی اور طرف نہیں پھیرتا، اسی طرح یہ روا نہیں کہ وہ نماز میں اپنے دل کو رب کے سوا کسی اور طرف پھیرلے۔ نمازی کو چاہیے کہ وہ بیت اللہ کو اپنے چہرے اور بدن کا قبلہ بنائے اور رب تعالیٰ کو اپنے دل اور روح کا قبلہ بنائے۔ نماز میں جس قدر بندہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوگا اللہ تعالیٰ بھی اسی قدر اس کی طرف التفات فرمائے گا۔ اگر بندہ نماز میں ہوتے ہوئے بھی اپنے اللہ سے غافل ہو اور اس سے اعراض اور بے رُخی برت رہا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اعراض والا معاملہ کرے گا۔ گویا جیسی کرنی ویسی بھرنی والا معاملہ ہے۔''

(اسرار الصلاۃ، از ابن قیم رحمہ اللہ)

اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ ساتھ ایسے امور کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے اور ایسا اہتمام کرنا چاہیے جن سے نماز میں دھیان صرف اللہ عزوجل ہی کی طرف ہو۔

حد سے بڑھ گئی اور انسان کے لیے ناقابل برداشت ہوگئی، حتی کہ وہ ذاتِ اقدس وگرامی یاشاہ مالک یوم الدین ہجرت پر مجبور ہوئی اور وطن سے بے وطنی پر لاچار۔ اس وقت کے کرب و الم، دردوغم کے لیے بھی داروئے تسکین ومرہم زخم آتا ہے، وہ یہی ہے کہ اقم الصلوٰۃ نماز قائم کرو، نماز قائم کرو۔

سورہ قٓ کی آخری آیات پڑھو، تم پر واضح ہوجائے گا کہ اس عالم بے چارگی، غربت اور درد ومسکنت کا جو علاج سوچا گیا اور کامیابی کی جو راہ تجویز کی گئی تھی وہ بجز اس کے اور کچھ نہ تھی کہ اقم الصلوٰۃ نماز قائم کرو۔ مگر کاش کبھی تم قرآن کو پڑھتے بھی۔ تم نے قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کی چیز ہی نہیں سمجھا۔ اس کو تو ریشمی غلافوں اور جزدانوں میں لپیٹ کر طاق میں رکھنے کی چیز سمجھ لیا ہے، جو کبھی وقت ضرورت کام میں لائی جاتی ہے۔ بلاشبہ قرآن رکھنے ہی کی چیز ہے مگر غلافوں میں نہیں، دل میں جس کو اللہ توفیق دے۔

پھر انھی معدودے چند مسلمانوں نے نماز، سچی نماز اور صرف سچی نماز کی برکت سے جماعت کی شکل اختیار کی اور پھر کس طرح اس ربانی جماعت نے دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

سچی نماز کیسی ہوتی ہے

ایک وہ انقلاب انگیز نمازیں تھیں، ایک تمھاری نمازیں ہیں جو رسماً یا دکھاوے کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔ ان نمازوں کا ہونا نہ ہونا برابر، ان کا ادا کرنا نہ کرنا ایک۔ بتاؤ تمھاری نمازوں میں کوئی لذت ہے، جس سے تمھارے دلوں میں سرور و تازگی پیدا ہوتی ہو۔ بتاؤ تمھارے دلوں میں کوئی سوزوگداز ہے، دلوں کے چولہے میں کوئی چنگاری باقی ہے، جو تمھاری آنکھوں سے ہنگامِ نماز ایک قطرۂ اشک نکالا کرتی۔ بتاؤ! ایسی نمازوں میں کشش ومحبت الٰہی کا کوئی اثر محسوس کرتے ہو۔ اگر نہیں تو پھر تمھاری نمازیں بے کار، تمھارے سجدے بے معنی، تمھاری عبادت اکارت۔ سچی نماز تو وہ نماز ہے جس سے دل میں سوزوگداز، رکوع میں خشوع وخضوع اور سجود میں کیف و لذت حاصل ہو اور تقرب الی المحبوب۔

جن کی نمازیں سچی نمازیں تھیں، جنھوں نے اپنی نمازوں میں لذت وچاشنی پائی تھی، جن کے زبان ولب اس جام شیریں سے شادکام تھے۔ قرآن ان کو ان الفاظ سے یاد کرتا ہے: ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ (السجدۃ 16:32) ان کی پسلیاں نرم ونازک گدیلوں پر سکون وقرار نہیں پاتیں۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے اللہ کے حضور میں نمازیں قائم کرتے ہیں۔ اس کی رضا کی آرزوئیں اور اس کے وصل کی التجائیں، ان کی پیشانیاں مصروف سجدہ، ان کی زبانیں تسبیح کناں، ان کے قلوب محو لذائذ نماز ہوتے ہیں۔ کاش تمھیں بھی ایسی نمازوں کی چاٹ پڑتی اور تم سمجھتے کہ نماز واقعی کیا چیز ہے۔

هذا، احسن الكلام، كلام الله الملك المنان: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ (المؤمنون 23:1-2)

(اقتباس از: خطبہ جمعہ وعیدین)



آپ کے سوالات اور اُن کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق

رسول اللہ ﷺ کا بذاتِ خود ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کرنا

سوال کسی شخص نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے یہ کہا ہو کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ یہ ایک ہی واقع ہوئی ہے، تم پر تمھاری بیوی حلال ہے۔ ایسی کوئی حدیث ہے، صحیح حوالہ پیش کریں۔ (سائل)

جواب جی ہاں ایسی حدیث موجود ہے، ملاحظہ فرمایے: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: «طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدَ، أَخُو بَنِي مُطَّلِبٍ، امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ، فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيدًا، قَالَ: فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ: طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا، قَالَ: فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ، فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ، قَالَ: فَرَجَعَهَا» ''سیدنا رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں لیکن وہ بعد میں سخت غمگین ہوئے۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''تم نے اسے کس طرح طلاق دی تھی؟'' انھوں نے کہا: تین دی تھیں۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا: ''ایک ہی مجلس میں؟'' انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''وہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے، اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔'' راوئ حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس کے بعد رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔'' (مسند أحمد: 265/1، أبويعلى، حديث: 2500، سنن البيهقي: 339/7، أبونعيم في معرفة الصحابة: 1113/2، حديث: 2803، حدیث صحیح ہے)

سوال سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا، کیا اس سے قبر میں انبیاء اور اولیاء کے زندہ ہونے کا ثبوت اور قبر والوں سے سوال کرنا جائز نہیں ہوتا؟ (سائل: ناصر، لاہور)

جواب یہ حدیث صحیح مسلم (حدیث: 2375) میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے لیکن یہ برزخی مسئلہ ہے، ہم اسے حقیقت ہی پر محمول کرتے ہیں، کسی تاویل و تعطیل کے مرتکب نہیں ہوتے، لیکن عالم برزخ عالم دنیا سے یکسر مختلف ہے، دونوں جہانوں کی زندگیاں اپنے احوال و صفات یا ممیزات کی بنا پر جدا جدا حیثیت کی حامل ہیں، اس لیے احوالِ برزخ کو عالم دنیا پر قیاس کرنا صحیح نہیں، پس جو احادیث صحیحہ میں منقول ہے ہم اسے برضا و رغبت قبول کرتے ہیں، یہ سب ہمارے فہم و شعور سے بالا ہے، عقل کا اس قسم کے احوال میں کوئی دخل نہیں کیونکہ ہر چیز کی ایک حد ہے، غور فرمائیں: معراج کے موقع پر آپ علیہ السلام نے انھیں قبر میں نماز پڑھتے دیکھا، آسمان پر پہنچے تو ادھر بھی ملاقات ہوئی، جب انبیاء کی امامت کرائی تو ان میں بھی موجود تھے، یہ سب صحیح احادیث میں مروی ہے، اور ماورائے عقل امور ہیں، تو عقل بے چاری کیا کرے؟ ایمان والوں کی ایک خصلت ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ہے، ہمیں اس کی لاج رکھنی چاہیے۔

یاد رکھیے! موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا مکلّف کی حیثیت سے نہ تھا، یعنی اس سے ایک شرعی ذمہ داری کی ادائیگی مقصود نہ تھی، بلکہ عالم برزخ میں دیگر نعمتوں کی طرح یہ بھی ایک نعمت تھی جس سے موسیٰ علیہ السلام لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔



شیخ الاسلام کی توضیح

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نماز اور اس طرح کی دیگر چیزیں ایسی ہیں جن سے میت متمتع اور لطف اندوز ہوگی، جیسے: اہل جنت تسبیحات کے ساتھ لطف اندوز ہوں گے، جنت میں انھیں تسبیح اس طرح الہام ہوگی جیسے دنیا میں لوگوں کو سانس نصیب ہوتا ہے، یہ کوئی تکلیفی عمل نہیں ہے جسے ادا کر کے ثواب طلب کیا جاتا ہے، بلکہ یہ عمل بنفسہ ایک قسم کی نعمت ہے جس سے نفوس انسانی راحت پذیر اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔'' (مجموع الفتاوی: 330/4)

قبر میں انبیاء واولیاء کی زندگی کی حقیقت

جہاں تک قبر میں انبیاء واولیاء کی زندگی کا مسئلہ ہے تو قرآن وحدیث کے عمومی دلائل کی روشنی میں جماعتِ انبیاء وصلحا تو کجا عام لوگوں کو بھی، بلکہ کفار ومشرکین اور دیگر نافرمانوں کو بھی، وہاں کی زندگی نصیب ہے، اصل سوال تو یہ ہے کہ یہ زندگی کون سی زندگی ہے؟ آیا ہو بہو دنیوی زندگی کی طرح ہے، یا اس سے کچھ ملتی جلتی ہے، یا وہاں کی زندگی بالکل اور نوعیت کی ہے جس کا ادراک قوائے انسانی اور حواسِ بشری نہیں کر سکتے۔

اس حوالے سے شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ علیہ السلام کی بعد از وفات کی زندگی قبل از وفات کی زندگی سے مختلف ہے۔ کیونکہ برزخی زندگی کا تعلق امورِ غیب سے ہے، اس کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لیکن ثابت شدہ اور معلوم حقیقت یہی ہے کہ یہ دنیوی زندگی سے مختلف ہے جو اس جہاں کے قوانین کے تابع نہیں۔ انسان دنیا میں رہ کر کھاتا پیتا ہے، سانس لیتا ہے، شادی کرتا ہے، حرکت ونقل کرتا ہے، بول وبراز کرتا ہے، بیمار ہوتا اور کلام کرتا ہے، لیکن کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کوئی ایک بھی بعد از وفات، اگرچہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام ہی کی ہستیاں کیوں نہ ہوں، جن میں سرفہرست ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ ہیں، انھیں بعد از وفات اس قسم کے احوال یا عوارض لاحق ہوتے ہیں۔

اور اس حقیقت کو جس چیز سے مزید تائید وتقویت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے بعد کئی مسائل میں اختلاف کرتے رہے، لیکن کسی ایک کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ آؤ چلیں آپ علیہ السلام کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوں، آپ علیہ السلام قبر میں موجود ہیں، اس بارے میں آپ سے مشورہ ہی کر لیں، اور یہ بھی پوچھ لیں کہ اس مسئلے میں حق وصواب اور درست کیا ہے؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟ بات بالکل واضح ہے، اور وہ یہ ہے کہ سب کو علم تھا کہ آپ علیہ السلام کا دنیوی زندگی سے تعلق منقطع ہو گیا ہے، اب عالم برزخ پر ان دنیاوی احوال وقوانین کا انطباق نہیں ہو سکتا، غرض رسول اللہ ﷺ اپنی موت کے بعد زندہ ہیں، انھیں برزخ میں کمال کی زندگی حاصل ہے، لیکن یہ ایسی زندگی ہے، جسے دنیوی زندگی سے کوئی مماثلت نہیں..... بہرحال برزخی زندگی کی حقیقت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لہٰذا برزخی یا اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر قیاس کرنا جائز نہیں، جیسے یہ جائز نہیں کہ ان میں سے ایک کے احکام دوسری زندگی کو دے دیے جائیں، بلکہ ہر جہاں کی ایک خاص شکل اور معین حکم ہے، صرف نام کی حد تک مشابہت ہے، رہی حقیقت تو وہ صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ (التوسل، ص: 59-60) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: زاد المعاد: 41-40/3، المفهم: 192/6، شرح النووي، تحت رقم: 2375)

کیا قبر والوں سے سوال کرنا جائز نہیں؟

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے تو یہ مذکورہ بالا مسئلے سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ برزخی حیات اور چیز ہے، اور مدفونین یا مردوں سے سوال یا استغاثہ کرنا اور چیز ہے، جس کا اس حدیث سے استدلال کسی طرح درست نہیں، غور کریں تو بات بالکل واضح ہے، جبکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں استغاثہ بغیر اللہ یا مرنے کے بعد ان کی خدمت میں دستِ سوال دراز کرنا قطعاً حرام بلکہ شرک ہے، صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے، وہی کل کائنات کا مشکل کشا اور حاجت روا ہے، چند دلائل ملاحظہ فرمایے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ﴾ ''اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا انھیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔'' (الأحقاف 5:46)

سورۂ رعد میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ

لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ ''اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی دعا کچھ بھی قبول نہیں کرتے۔'' (الرعد 14:16)

سورۂ فاطر میں فرمایا: ﴿إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ ''اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن لیں تو تمھاری درخواست قبول نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کردیں گے اور تجھے ایک پوری خبر رکھنے والے کی طرح کوئی خبر نہیں دے گا۔'' (فاطر 14:35)

سورۂ یونس میں فرمایا: ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ''اور اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کو مت پکارو جو نہ تجھے نفع دے اور نہ تجھے نقصان پہنچائے، پھر اگر تو نے ایسا کیا تو یقیناً تو اس وقت ظالموں سے ہوگا۔'' (یونس 106:10) اس موضوع کی اور بھی آیات موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے، جس میں آپ علیہ السلام نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو، جبکہ وہ ابھی بچے ہی تھے، بڑی اہم نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ تو جب بھی سوال کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے کرنا اور مدد مانگنا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنا، «إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ» (سنن الترمذي: 2516)

سوال عام لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد میں سترے کی ضرورت نہیں ہوتی، آیا یہ موقف درست ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسجد میں سترے کا اہتمام ثابت ہے، وضاحت کردیں۔

جواب یہ کہنا کہ مسجد میں سترے کی ضرورت نہیں، یا اس کا مسجد میں اہتمام سنت سے ثابت نہیں یہ بات درست نہیں، جس طرح فضا یا عام مقامات پر رسول اللہ ﷺ کا اہتمام ثابت ہے، اسی طرح مسجد میں بھی آپ علیہ السلام نے اس کا اہتمام کیا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی اس عظیم سنت میں سستی نہیں کرنی چاہیے، وجوب یا عدمِ وجوب کے مباحث سے ہٹ کر بھی غور فرمائیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ سنت خاصی اہمیت کی حامل ہے، وہ تاکیدات و اَوامر فجر کی سنتوں اور نمازِ وتر کے متعلق بھی منقول نہیں جو سترے کے بارے میں مروی ہیں، جبکہ فجر کی سنتوں اور وتر کے ترک کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے لیکن اس سنت کا جو ہم حشر کرتے ہیں کسی سے مخفی نہیں، وَفَّقَنَا اللّٰهُ لِاتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِيِّهِ ﷺ.

اب چند احادیث و آثار ملاحظہ فرمایئے:

① یزید بن اَبی عُبید کہتے ہیں: «كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ فَيُصَلِّي عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ الْمُصْحَفِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ! أَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَ هٰذِهِ الْأُسْطُوَانَةِ؟ قَالَ: فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَهَا» ''میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ (مسجد نبوی میں) آیا کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس ستون کو سامنے کرکے نماز پڑھتے جہاں مصحف شریف رکھا ہوتا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا: اے ابومسلم! تم اس ستون کے قریب ہی نماز پڑھنے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ بھی کوشش سے اس ستون کو سامنے کرکے نماز پڑھا کرتے تھے۔'' (صحيح البخاري: 502)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اتباع میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں سترے کا خوب اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ لفظ «يَتَحَرَّى» سے ثابت ہوتا ہے۔

② رسول اللہ ﷺ مسجد کی دیوار کو بھی سترہ بنا لیتے تھے، سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «كَانَ بَيْنَ مُصَلَّى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَبَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ» ''رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جگہ (مقام سجدہ) اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کے بقدر فاصلہ تھا۔'' (صحيح البخاري: 496)

لہٰذا سترہ تقریباً اتنے ہی فاصلے پر ہونا چاہیے، جبکہ ہم دیوارِ مسجد سے کئی فٹ کے فاصلے پر دور ہونے کے باوجود بھی اسے سترہ ہی سمجھتے ہیں، سنت کی روشنی میں ہمارا یہ فہم درست نہیں۔ یہ شرعاً سترہ نہیں کہلاتا، حدیث میں سترہ کے قریب کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ (سنن أبي داود: 695-698، أصل صفة الصلاة: 115/1)

③ آپ علیہ السلام کعبہ کے اندر نماز پڑھتے تو پھر بھی دیوارِ کعبہ کے قریب ہوکر کھڑے ہوتے، حدیث میں تین ہاتھ کے فاصلے کا ذکر ہے، یعنی قیام گاہ اور دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ ہوتا۔ حدیث میں ہے: «فَمَشَى حَتَّى يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِي قِبَلَ وَجْهِهِ قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثِ أَذْرُعٍ صَلَّى» ''پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ جب ان کے اور سامنے



والی دیوار کے درمیان تقریباً تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا تو نماز پڑھتے۔''
(صحيح البخاري: 506)

④ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «لَقَدْ رَأَيْتُ كِبَارَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْتَدِرُونَ السَّوَارِيَ عِنْدَالْمَغْرِبِ» ''میں نے نبی ﷺ کے بڑے بڑے صحابۂ کرام کو دیکھا، وہ مغرب کی نماز کے وقت ستونوں کے سامنے جلدی چلے جاتے تھے۔'' (صحيح البخاري: 503)

⑤ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «اَلْمُصَلُّونَ أَحَقُّ بِالسَّوَارِي مِنَ الْمُتَحَدِّثِينَ إِلَيْهَا» ''باتیں کرنے والوں کی بہ نسبت نماز پڑھنے والے ستونوں کے زیادہ حقدار ہیں۔'' (صحيح البخاري، تعليقاً بالجزم، قبل حديث: 502، مختصر صحيح البخاري للألباني: 176/1)

⑥ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر ذکر کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھتے دیکھا تو اسے ایک ستون کے قریب کر دیا اور فرمایا کہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ (صحيح البخاري، تعليقاً، قبل حديث: 502)

⑦ «عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَدْ نَصَبَ عَصًا يُصَلِّي إِلَيْهَا» ''یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے انس بن مالک کو مسجد حرام میں ایک لاٹھی نصب کر کے اس کی طرف نماز پڑھتے دیکھا ہے۔'' (مصنف ابن أبي شيبه: 310/1)

⑧ نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: «كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا لَمْ يَجِدْ سَبِيلًا إِلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ قَالَ لِي: وَلِّنِي ظَهْرَكَ» ''ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جب مسجد کے کسی ستون کی طرف جانے کا راستہ نہ ملتا تو مجھے فرماتے: میری طرف اپنی پیٹھ کر کے بیٹھ جاؤ۔'' (مصنف ابن أبي شيبه: 313/1)

مقصود سترے کا التزام ہے، لہٰذا اس قسم کے حالات سے نمٹنے کے لیے اگر مساجد میں بقدر ضرورت لکڑی وغیرہ کے سترے بنا کر رکھ لیے جائیں تو شرعاً کوئی قباحت نہیں، اسے کراہت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے، اس قسم کا اقدام سنت سے محبت کی نشانی ہے، یہ عمل یقیناً تعاون عَلَى الطَّاعة کے زمرے میں آتا ہے۔

محدث العصر علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: '' اس حوالے سے اکثر نمازی کوتاہی کا شکار ہیں، خواہ عام نمازی ہیں یا ائمہ مساجد، ہر جگہ اور خطے میں جہاں مجھے جانے کا موقع ملا ہے، یہی حال ہے، ان میں سعودیہ بھی شامل ہے، جہاں مجھے پہلی بار رجب 1410ھ میں جانے کا موقع ملا۔ اب یہ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو اس مسئلے کے بارے میں تنبیہ کریں، اور انھیں اس پر ابھاریں، سترے کے احکام و مسائل سے باخبر کریں، اور یہ بھی بتائیں کہ سترے کا مسئلہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کو بھی شامل ہے۔'' (حاشية أصل صفة الصلاة للألباني: 117/1)

حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نماز خواہ مسجد میں پڑھے یا جنگل میں کوئی چیز سامنے ضرور کرے۔ مسجد میں ستون وغیرہ کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ (فتاویٰ اهل حديث: 455/1) وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيق.

شادی میں رقص کا انجام

میرا شوہر بارہا مجھے نصیحت کرتا تھا کہ بیرونِ خانہ میں اپنا پردہ کہیں بھی نہ اتاروں، اور گھر سے باہر ہر وقت باپردہ رہوں، نیز مجھے یہ حدیث رسول سنایا کرتا: ''جس عورت نے اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ اپنا کپڑا اتارا، اس نے اپنے اور پروردگار کے درمیان پردہ چاک کر دیا۔'' (مسند أحمد: 41/6) ایک روز میرے شوہر نے کسی خلیجی ملک کا سفر کیا۔ وہاں کسی دفتر میں دونو جوانوں کے مابین اس امر پر اختلاف ہو گیا کہ خلیجی ممالک میں سب سے خوبصورت لڑکی کون سی ہے؟ ایک نوجوان فوراً اٹھا اور ایک ویڈیو کیسٹ لا کر حاضر کر دی جسے اس نے میرے ملک کے کسی آدمی سے چوری چھپے بھاری قیمت دے کر خریدا تھا۔ اس کیسٹ میں شادی کی ایک محفل کی ویڈیو بھی تھی جس میں میں نے بھی شرکت کی تھی۔ جب نوجوان نے ویڈیو کیسٹ لگائی تو وہ منظر دیکھ کر میرے شوہر کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی جس میں میں رقص کر رہی تھی، گانا گا رہی تھی، میری زلفیں بکھری ہوئی تھیں اور میرا نصف سینہ عریاں تھا۔ دفتر میں بیٹھے لوگ میرے حسن و جمال کو دیکھ کر عش عش کرنے لگے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ میرا شوہر اندر ہی اندر آگ بگولا ہو رہا تھا، اس کی آتش غیظ و غضب تیز سے تیز تر ہو رہی تھی۔ وہ فوراً سفر کے دیگر کاموں کو ملتوی کر کے واپس اپنے وطن آ گیا۔ گھر پہنچا تو میرے اور اس کے درمیان زبردست جنگ چھڑ گئی اور نتیجتاً میرا انجام بھی وہی ہوا جو کسی عورت کے لیے سب سے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اب میں مطلقہ ہوں۔ میری زندگی عذاب میں گزر رہی ہے۔ شقاوت و بدبختی نے مجھے رسوائی و بدنامی سے دوچار کر دیا ہے اور اب اکیلے زندگی کی کٹھن منازل طے کر رہی ہوں۔ میری لمحوں کی لغزش مجھ سے زندگی بھر کی مسرتیں چھین کر لے گئی۔



امریکہ میں فراڈ کے نت نئے انداز

حافظ عبدالوحید سوہدروی

سب جانتے ہیں کہ امریکہ ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ یہاں ہر شعبے میں ترقی اپنے عروج پر ہے۔ ترقی کا یہ سلسلہ خاصے عرصے سے چلا آرہا ہے۔ ہمارا پاکستان امریکہ کی ترقی سے دو تین صدیاں پیچھے ہے۔ یعنی ہمیں امریکہ کی آج کی ترقی تک پہنچنے کے لیے دو تین صدیاں درکار ہیں۔ مگر جب ہم دونوں ملکوں کی ترقی کی رفتار پر نظر ڈالتے ہیں تو لگتا ہے کہ یہ خلا روز بروز کم ہونے کی بجائے بڑھتا چلا جائے گا۔ امریکہ کی ترقی کی رفتار ہم سے کئی گنا زیادہ ہے جبکہ ہماری ترقی کی رفتار کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بلکہ ہم لوگ تو ترقی کی بجائے تنزلی کی طرف گامزن ہیں۔ چند شعبہ ہائے زندگی میں ترقی کو ہم ہر شعبے کی ترقی سمجھنے کے دھوکے میں مبتلا ہیں۔ جب آدمی تنزلی کو بھی ترقی سمجھ بیٹھے تو اس کی عقل کا ماتم کس کے سامنے کیا جائے۔ بہرحال آج کا موضوع یہ نہیں۔ آج آپ کو امریکہ میں دھوکے بازی اور فراڈ کے ایک نئے انداز میں ترقی کی کہانی سنانی ہے۔

امریکہ میں انکم ٹیکس کے محکمہ کا نام انٹرنل ریوینیو سروس (Internel Revenue Service) ہے جو اپنے مخفف IRS کے نام سے مشہور ہے۔ یہ محکمہ ٹیکس کے ضمن میں ایسے اختیارات رکھتا ہے کہ امریکہ کے بڑے بڑے سیاستدان، وزراء حتی کہ صدر تک اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ کیونکہ اس محکمے کی ایک رپورٹ ان کا سیاسی کیریئر تباہ کرسکتی ہے۔ یوں سمجھیں کہ امریکہ کے لوگوں کو دیانت دار رکھنے کے لیے اس محکمے کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یہ لوگ خدا سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا کہ IRS اور ایف بی آئی سے ڈرتے ہیں۔ اگر ان محکمہ جات کا خوف نہ رہے تو پھر پتہ چل جائے کہ امریکہ میں دیانتداری کا لیول کیا ہے۔ ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسلام نے ہمیں خوفِ خدا کا اتنا اعلیٰ تصور عطا فرمایا ہے کہ اس کی موجودگی میں اس قسم کے انسانی محکموں سے خوف دلانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ مگر افسوس کہ حکومتی سطح پر اس تصور کو معاشرے میں پروان چڑھانے کی بجائے پولیس اور سراغ رسانی کے محکموں پر بے انتہا دولت خرچ کی جارہی ہے۔ جس کا نتیجہ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک سے مختلف کبھی نہیں نکل سکتا۔

پچھلے چند دنوں سے سننے میں آرہا تھا کہ اب کئی فراڈیے IRS کا نام استعمال کرکے لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ ہماری مسجد کے ایک دو نمازیوں نے ان کے طریقۂ واردات سے ہمیں پہلے ہی مطلع کردیا تھا۔ لہٰذا انتظار تھا کہ ایسے فراڈیوں کی دارالسلام بک سٹور کے حوالے سے ہمیں بھی کال آئے گی۔ چونکہ ہمارے بعض دیسی و دیگر غیرملکی لوگ اپنے بزنس یا سٹوروں کی سیل کم دکھا کر ٹیکس سے بچنے کی



کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ''چور کی داڑھی میں تنکا'' کے مصداق انھیں ہر وقت کسی ناگہانی مصیبت کا دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔ اسی خوف سے ناجائز فائدہ اٹھا کر فراڈی گروہ کا کوئی آدمی انھیں کال کر کے کہتا ہے کہ میں IRS کی کریمنل انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کا آدمی ہوں، میرے سینئر افسر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ پوچھنے پر اپنا فون نمبر واشنگٹن ڈی سی کا دیتا ہے جو کہ امریکہ کا دارالخلافہ ہے۔ پھر کہتا ہے کہ آپ کے ذمہ اتنے ہزار ڈالر ٹیکس نکلتا ہے جو آپ نے کاغذات میں نہیں دکھایا۔ پھر ڈراتا دھمکاتا ہے کہ ٹیکس کی ادائیگی مع جرمانہ کے ساتھ جیل کی ہوا بھی کھانی پڑے گی۔ اس کے بعد سودا بازی شروع ہو جاتی ہے اور خفیہ طور پر ایک معقول رقم اس فراڈی گروہ کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

ہماری مسجد کے ایک نمازی نے بتایا کہ اس کے ایک پاکستانی رشتہ دار سے اسی طرح دس ہزار ڈالر ہتھیا لیے گئے ہیں۔ رقم وصول کرنے کے لیے اسے کہا گیا کہ وال مارٹ سٹور سے پانچ پانچ سو ڈالر کے گفٹ کارڈ خرید لو اور اس کے نمبر بذریعہ فون ہمیں لکھواتے جاؤ۔ اس طرح رقم ٹرانسفر کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ نہ جانے اس کے علاوہ رقم منتقل کرنے کے اور کتنے راستے اختیار کیے جاتے ہیں۔ فراڈ کرنے والے اکثر لوگ انگلش ایسے بولتے ہیں جیسے جنوبی امریکہ کے کسی ملک کے باشندے ہیں۔

اخباروں میں ابھی اس کی خبریں عام تو نہیں ہوئیں تاہم CNN ٹی وی نے اس فراڈ پر ایک خصوصی پروگرام نشر کیا ہے۔

ماہ مئی کے شروع میں اس گروہ کا فون مجھے بھی آیا تھا۔ لیکن پہلے سے علم ہونے کی بنا پر میں نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر چپ کرا دیا۔ پھر تین روز بعد جب میں نے اس سے حاصل کردہ نمبر پر فون کیا تو مجھے دھمکی دی کہ میرے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اپنے سینئر سے بات کراؤ تو فون ہی کاٹ دیا۔ اس واقعہ کی میں نے بذریعہ انٹرنیٹ پولیس میں رپورٹ کرانا چاہی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر سابقہ تجربات کی روشنی میں یہ سوچ کر چھوڑ دیا کہ رپورٹ کے بعد نتیجہ تو کچھ نکلتا نہیں۔

کچھ لوگوں کو شک ہے IRS کے بعض ملازمین اس گروہ سے ملے ہوئے ہیں۔ تب ہی تو ان کا فون نمبر استعمال ہوتا ہے اور اس گروہ کو ٹیکس کوائف مہیا ہوتے ہیں۔ کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ پولیس ایسے لوگوں سے چشم پوشی کر رہی ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

فراڈ کی ایک اور قسم آج کل اپنے عروج پر ہے جس کے ذریعے اربوں ڈالر کا فراڈ ہو رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب چوروں اور ڈاکوؤں سے بچنے کے لیے لوگوں نے جیب میں نقد رقم رکھنے کی بجائے کریڈٹ کارڈ کا حل ڈھونڈ لیا تو فراڈ کرنے والوں نے نقل بمطابق اصل کریڈٹ کارڈ تیار کر کے اس فراڈ کو بھی عروج پر پہنچا دیا۔ اب بینک اور کریڈٹ کارڈ ایشو کرنے والی کمپنیاں پریشان ہیں کہ اس فراڈ سے کیسے نبٹا جائے۔ ہر روز کریڈٹ کارڈ استعمال کرنے والوں کو نئی نئی ہدایات دی جاتی ہیں۔

ہمارا پاکستان تو کریڈٹ کارڈ کے استعمال میں ابھی بچہ ہے جسے فراڈیوں کے ابھی ہاتھ نہیں لگے۔ ہاں فراڈ کے اکا دکا واقعات وہاں بھی منظر عام پر آ رہے ہیں۔ مگر ''بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟'' کافروں کے نقش قدم سے کسی نے فیض نہ پایا۔

اللہ پاک ہمیں سمجھ بوجھ عطا فرمائے۔ آمین

علم

(ام بلال۔ لاہور)

یہ علم کیا ہے؟
کون اسے جانا ہے؟
یہ کیسے آتا ہے؟ کہاں سے آتا ہے؟
یہ تو وہ ہے جس کا منبع
علیم وخبیر کی ذات ہے
لیکن!
فی زمانہ اسے کہاں کسی نے جانا ہے
یہ تو پہچان کراتا ہے اُس ہستی کی
جو علیم ہے جو خبیر ہے
پھر کیوں بہت سی اسناد کے مالک ہی
نہیں جان پاتے اُس علیم وخبیر کو
تو کیا وہ علم رکھتے ہیں؟
جانے کیوں مجھے محسوس ہوتا ہے
وہ جو بے تحاشا اسناد کے مالک ہیں
وہی تو اصل میں جاہل ہیں
کہ وہ اپنے رب سے غافل ہیں



فحاشی کا سیلاب

اور اس کے

دینی و دنیوی نقصانات

قسط: ② آخری | خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ | اعداد: حافظ شبیر صدیق

میں ایک فرد کے طور پر یا آپ ایک فرد کے طور پر فحاشی کے اس سیل رواں کو کیسے روک سکتے ہیں؟ اس معاشرے کی ہم ایک اکائی ہیں۔ روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ میں اپنی اصلاح کروں اور اپنے اہل خانہ کی اصلاح کروں اور شریعت کی بنیادیں فراہم کروں اپنے اہل خانہ کو۔ ایک گھر کی اصلاح ہوگی، دوسرے کی، تیسرے کی، چوتھے کی۔ اس افرادی اصلاح سے معاشرے کی اصلاح ممکن ہے۔ میں تو کہتا ہوں اس درس کی ضرورت ہی نہ ہوتی اگر ہر گھرانہ نبی علیہ السلام کی ایک حدیث کو تھام لے، صرف ایک حدیث کو۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے:

«مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ» اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں، حکم دو، وہ بالغ نہیں، مکلّف «وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ» دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر سرزنش کرو، ہلکی پھلکی مار پیٹ کرو، ان کو ڈراؤ، ان کو تنبیہ کرو، ان کے کان کھینچو دس سال کی عمر میں۔ (سنن أبي داود: 495) نبی علیہ السلام کے اس فرمان میں بچوں کی ایسی عمر کا تعین ہے کہ بچوں کا جو ایک صاف ستھرا ذہن اور طلب ہے اس طلب اور ذہن پر نماز نقش ہو جائے۔ یہ عمر کا وہ حصہ ہے جب بچہ بالکل صاف ذہن کا ہوتا ہے اور جو بات آپ نقش کریں گے وہ نقش ہوگی۔ اب آپ کا اختیار ہے موسیقی نقش کریں، بچوں کے سامنے بیٹھ کر ایسے پروگرام دیکھیں جیسے موسیقیت ہو، ڈرامے ہوں۔ آپ بھی دیکھ رہے ہیں، بچے بھی دیکھ رہے ہیں اور سب نقش ہو رہا ہے۔ یا پھر نبی علیہ السلام کی تعلیمات ہیں۔ نماز کا حکم دو۔ نماز نقش کرو۔

اسد بن فرات، ان کے والد تھے فرات بن سنان۔ یہ ایک گاؤں میں تھے۔ قرطبہ کے قریب ان کا گاؤں تھا، وہاں رہتے تھے اور علم دوست تھے۔ ویسے کاروباری تھے لیکن علم سے محبت تھی۔ اس شہر کے، اس بستی کے جو علماء تھے ان کے پاس جو علم تھا وہ حاصل کر چکے تھے۔ مگر علم کی تشنگی باقی تھی۔ سوچا کسی شہر میں چلیں، کسی مرکزی شہر میں۔ وہاں علماء وافر موجود ہوں گے تو ان کے علم سے استفادہ کیا جائے۔ یہ سوچ کر ہجرت کی اپنے گاؤں سے قرطبہ آ گئے۔ بڑا شہر، علماء سے بھرا ہوا، ساتھ ان کا بیٹا تھا چھوٹی عمر کا۔ اور سفر پیدل ہی کیا۔ شہر آنے تک پیدل سفر کیا اور بچہ آٹھ نو سال کا ساتھ ہے۔ جب قرطبہ پہنچ گئے اور ایک ٹھکانے کا انتخاب کر لیا، رہائش پذیر ہو گئے تو بچے کو بلوایا۔ کہنے لگے کہ بچے! تم تھک چکے ہو؟ کہا: ہاں تھک چکا ہوں۔ کہا: لاؤ تمھارے پاؤں دبا دوں۔ بچے کے پاؤں دبا رہے ہیں۔ پھر سوچا اس بچے کو نصیحت کی جائے۔ فرماتے ہیں: بیٹا! یہ دو پاؤں جو ہیں ان پر چل کر بندہ ہر جگہ جاتا ہے۔ یہ پاؤں ہی انسان کو گندی جگہ لے جاتے ہیں اور یہ پاؤں ہی انسان کو اچھی جگہ پر لے کر جاتے ہیں۔ اگر گندی جگہ پر جائیں گے تو یہ زمین پاؤں کی ایک ایک آہٹ کی راز دان ہے۔ قیامت کے روز ایک ایک راز کو اگل دے گی۔ بڑی شرمندگی ہوگی۔ اچھی جگہ پر جاؤ گے تو یہ زمین اس راز کو اپنے سینے میں محفوظ رکھے گی اور قیامت کے روز اس راز کو اگل دے گی۔ تمھارے محاسن کا اعلان ہوگا، چرچا ہوگا۔ اب تم بتاؤ! تم کس قسم کی زندگی چاہتے ہو؟ اور اپنے ان قدموں کا استعمال کیسا چاہتے ہو؟



دیکھیں کیا تربیت کا انداز ہے۔ اور بچے کے معصوم قلب و دماغ پر یہ الفاظ نقش کر چکے ہیں۔ بچے نے طے کرلیا کہ ان قدموں سے اگر جاؤں گا تو اللہ کے گھر مسجد میں جاؤں گا، اگر جاؤں گا تو کسی مدرسے میں جاؤں گا، اگر جاؤں گا تو کسی عالم کے پاس جاؤں گا۔ اب وہ ایسا علم کا دیوانہ ہوا کہ ہر وقت علماء کے پاس، علماء کی صحبت، علماء کی رفاقت میں رہتا۔ حتی کہ قرطبہ کے علماء سے علم حاصل کرلیا اور سارا علم سمیٹ لیا۔ اللہ اکبر۔ اب قرطبہ کے علماء سے پوچھتے: مجھے اعلم الناس کا بتادو، یعنی ایسا عالم جو اس وقت موجود دنیا میں سب سے بڑا عالم ہو، سب سے بڑا محدث ہو۔ لوگوں نے بتایا کہ اس وقت اعلم الناس ایک ہی شخصیت ہے اور وہ دارالہجرہ کے امام، امام مالک رحمہ اللہ ہیں۔ سفر کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ امام مالک کو پکڑ لیا۔ تھام لیا۔ ان کی صحبت میں بیٹھ گئے اور کب تک رہے؟ امام مالک کی وفات تک ان کے ساتھ رہے۔ سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے۔ ایک ایک لحظہ ان کے ساتھ رہے۔

یہ ایک سچی تربیت کے آثار ہیں۔ نقوش کیا تھے بچپن ہی سے؟ اچھے نقوش جو پیوست ہو گئے دل میں۔ اور پھر یہ بچہ، اسد بن فرات اس کا نام، یہ فقہ مالکی کا مدون ہے۔ بڑی اس کی شہرت ہے۔ فقہی مسائل میں، حفظِ حدیث میں بڑی اس کی شہرت ہے۔ بڑا اس کا نام ہے۔ محدثین جانتے ہیں اسد بن فرات کا مقام کیا ہے علم حدیث میں اور فقہ میں۔ لیکن نقطۂ آغاز والد کی تربیت۔ تو ہم چھوڑ دیں اس معاشرے کو۔ علاج کیا ہے؟ «وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ» ''تمھارا گھر تمھارے لیے کافی ہو۔'' (جامع الترمذي: 2406) اپنے گھر کی اصلاح کرو، اپنے گھر کی۔ اپنے بچوں کو تربیت دو۔ اپنی بیٹیوں کو تربیت دو۔ نبی علیہ السلام کی ایک حدیث سناؤ، نبی علیہ السلام کی حدیث۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے۔ فرمایا کہ میرے ساتھیو! کچھ دیکھ رہے ہو؟ صحابہ دیکھ رہے ہیں کچھ نظر نہیں آ رہا۔ فرمایا: کیا کچھ دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا: یہاں کوؤں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کوے دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا: غور سے دیکھو، کیا دیکھ رہے ہو؟ کہا کہ کوے دیکھ رہے ہیں «بَيْنَهَا غُرَابٌ أَعْصَمُ» ان کوؤں کے بیچ میں ایک کوا ہے جو غراب اعصم ہے۔ اعصم کوا۔ اعصم کوا وہ ہوتا ہے جس کی چونچ لال ہو اور پاؤں بھی لال ہوں۔ باقی سب کالے ہیں۔ یہ دیکھ رہے ہیں۔ اللہ اکبر۔ نبی علیہ السلام نے ان کوؤں کے تعلق سے صحابہ کو علم دیا۔ مربی تھے نہ مربی۔ صحابہ کو علم دیا کہ میرے ساتھیو! کوئی عورت اس وقت تک جنت میں نہیں جاسکتی جب تک وہ ان سارے کوؤں کے بیچ میں غراب اعصم کی طرح نہ ہو۔ عورت غراب اعصم بن جائے ان سارے کوؤں کے بیچ میں۔ (مسند أحمد: 197:4) اپنی بچیوں کو بھی یہ حدیث سنائیں۔ اس کا معنی سمجھیں، اس کا معنی کیا ہے؟ نبی علیہ السلام کیا چاہتے ہیں؟ دیکھیں یہ فتنوں کا دور اور دنیا کی عورتیں فحاشی اور عریانی کے سیل رواں میں جو ہے وہ بڑھتی جارہی ہیں۔ یہ فیشن اور یہ فحش اور یہ فواحش بڑھتے جارہے ہیں۔ اور جو عورتیں پردہ کرتی ہیں، اپنے حجاب کا احترام کریں گی ان کی مثال غراب اعصم کی ہے اور باقی دنیا کی عورتوں کی مثال ان سارے کوؤں کی ہے۔ یعنی یہ عورتیں کم ہیں جو اپنے حجاب اور پردے کا احترام اور اہتمام کریں گی اور بے پردہ عورتیں، فحاشی پر مائل عورتیں بے تحاشا ہوں گی۔ جنت میں یہ نہیں جائیں گی۔ جنت میں کون جائیں گی؟ وہ جو ان کوؤں کے بیچ میں غراب اعصم کی طرح ہیں، یعنی اس فتنے میں جو خواتین بہک رہی ہیں ان میں انتہائی قلیل عورتیں جو شرعی حجاب کی حفاظت کریں گی اور شریعت کے اقدار کی حفاظت کریں گی۔ ان میں یہ ان کی نسبت ہے اور جنت میں یہ جائیں گی۔

جنت میں یہ عورتیں نہیں جائیں گی۔ «صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي» یہ دوسری صنف کیا ہے؟ «نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مَائِلَاتٌ مُمِيلَاتٌ» یہ عورتیں لباس پہنی ہوئی برہنہ ہیں۔ ان کا لباس یا تو باریک ہے یا پھر چست ہے۔ جسم کے سارے نشیب و فراز کو عیاں کر رہا ہے۔ (صحيح مسلم: 2128، وابن حبان: 500/16) مسلم خاتون ایسی ہوسکتی ہے؟ مسلم خاتون کیسی ہوتی ہے؟ نبی علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک میت دیکھی۔ وہ میت خاتون کی تھی۔ خاتون میت کے کفن کے پانچ کپڑے ہوتے ہیں۔ مرد کے تین ہوتے ہیں خاتون کے پانچ۔ ان پانچ کپڑوں میں ڈھکی ہوئی لیکن پھر بھی محسوس کیا کہ اس میت کے نشیب و فراز کچھ جھلک رہے ہیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکوہ کیا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے۔ حالانکہ وہ خاتون مردہ ہے، میت ہے۔ مگر کیا اسلامی اقدار ہیں! کیا اسلامی تربیت ہے کہ ایک میت خاتون کے نشیب و فراز کیوں نمایاں ہو رہے ہیں۔ اللہ اکبر۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں جب حبشہ گئی۔ یہ ہجرت کر کے گئی



تھیں۔ اس وقت میں نے ایک حبشی خاتون کا جنازہ دیکھا۔ انھوں نے میت کو کفن دیا ہوا تھا مگر کفن سے پہلے انھوں نے ایک بڑی نرم سی جھاڑی، بوٹی جسم پر ساتھ لگائی تھی تاکہ جسم کے نشیب وفراز نمایاں نہ ہوسکیں۔ یعنی یہ چند لحظات ہیں جنازے سے لے کر قبر میں اتارنے تک۔ ان لحظات میں بھی نشیب وفراز نمایاں نہ ہوں، یہ اسلام کی تربیت ہے۔ یہ اسلام کے خطوط اور نقوش ہیں۔ ان خواتین کو یہ پڑھایا جائے جو دندناتی پھرتی ہیں اس فحاشی وعریانی کے ساتھ۔ اللہ اکبر۔ ایسی عورتیں بہت بڑا فتنہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي فِتْنَةً أَخْوَفُ عَلَيْهَا مِنَ النِّسَآءِ وَالْخَمْرِ» ''مجھے اپنی امت پر گمراہی کے تعلق سے دو اندیشے ہیں، دو چیزوں کا خوف ہے: ایک عورتوں کا دوسرا شراب کا۔'' (ضعيف الجامع الصغير للألباني: 390/1) نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: «اتَّقُوا النِّسَآءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَآءِ» عورتوں سے بچو، ڈرو عورتوں سے۔ یعنی اجنبی عورتوں سے دوری اختیار کرو، بچو ان سے، ڈرو ان سے۔ «إِتَّقُوا» فرمایا کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کے تعلق سے تھا۔ جس نے بنی اسرائیل کو بہکا دیا اور برباد کردیا۔ (صحيح مسلم: 2742) یہ فتنہ ہے بہت بڑا۔ «مَاتَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ» ''میرے بعد بہت سے فتنے آئیں گے مگر مردوں کے لیے سب سے خطرناک فتنہ عورتوں کا ہے۔'' (صحيح البخاري: 5096) یہ فتنے قائم ہیں مگر ہم اپنی اصلاح کریں۔ اور یہ اختلاط جو ایک سمِّ قاتل، زہر قاتل ہے اس سے ہم بچیں اور اپنے گھروں میں عفت اور پاکدامنی کو داخل کریں تاکہ ہم ایک اکائی کے طور پر معاشرے میں اس سیلِ رواں میں شامل نہ ہوں۔ اپنا گھرانہ بچ جائے۔ اپنے بھائی کا گھرانہ بچ جائے۔ اس طرح گھرانوں کی اصلاح کے ساتھ اصلاح عام ہوسکتی ہے۔ شریعت کس طرح چاہتی ہے کہ ایک خاتون کیسی ہو؟ کس طرح اس کی حفاظت کرنا چاہتی ہے؟ دیکھیں قرآن کہتا ہے: ﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ﴾ ''ایک خاتون جب باہر جائے پردے کے ساتھ، اپنے پاؤں بڑے آہستہ آہستہ رکھے۔'' (النور 24:31) بھاری قدم نہ رکھے۔ پاؤں کو پٹخ کر نہ رکھے۔ وہ شریعت عورت کے چہرے کو کھولے گی جو اس کے پاؤں کی آہٹ کو چھپا رہی ہے؟ کیسے وہ باغی لوگ ہیں جو چہرے کو کھولنے کا حکم دیتے ہیں۔ جو ایک خاتون کے پاؤں کی آہٹ کو چھپا رہی ہے وہ شریعت عورت کے چہرے کو کھولے گی؟ اور اس پر مستزاد جو آج فحاشی وعریانی ہے یہ شریعت سے کتنی بڑی بغاوت ہے۔ اور یہ جو پاؤں کی آہٹ ہے، یعنی بعض اوقات ایک خاتون اپنے لباس کے اندر پازیب کا استعمال کرتی ہے، یعنی پاؤں کا زیور۔ اور زوردار آہٹ سے اس پازیب میں جھنکار پیدا ہوسکتی ہے۔ وہ زیور عورت کی زینت ہے مگر اس کی آواز باہر فتنہ ہوگی، اس لیے قدم آہستہ آہستہ رکھے عورت، خصوصاً جو عورت پازیب پہنے ہوئے ہو تاکہ زیور کی جھنکار مردوں کے کانوں میں نہ پڑے۔ یہ ہے شریعت۔ کس طرح ایک خاتون کو محترم قرار دے رہی ہے۔ ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔ تو اپنے گھر کی ملکہ ہے۔ اس گھر کی چاردیواری میں تیری حکومت ہے۔ یہ بچے تیری تربیت کی جولان گاہ ہیں ان کو سنبھال۔ ایک ایک بچے کی تربیت قیامت کے روز تیرے مرتبے کو کہاں تک لے جائے گی! کیا اس تربیت کے آثار اور نتائج ہیں! ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ ''اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔'' (الأحزاب 33:33) ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے سوال کیا: آپ حج کیوں نہیں کرتیں، عمرہ کیوں نہیں کرتیں؟ فرمایا کہ حج میں کرچکی ہوں، عمرہ بھی کرچکی ہوں۔ اب میرے پروردگار نے مجھے کہا ہے: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ ''اپنے گھر میں ٹکی رہو۔'' یہ میرے پروردگار کا حکم ہے۔ میں گھر سے باہر نہ نکلوں۔ گھر سے باہر نہیں نکلیں۔ کبھی نہیں نکلیں۔ جنازہ ان کا نکلا تھا خود نہیں نکلیں۔ (تفسير القرطبي: 180/14) یہ صحابیات کا کردار ہے۔ ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾

حفصہ بنت سیرین، ان کی تیس سال کی گواہی موجود ہے کہ ان کا دن کہاں گزرتا؟ اپنے گھر کے مصلّٰی میں۔ اپنے گھر میں ایک جگہ انھوں نے گھیر کے بنائی تھی جہاں پر وہ نماز پڑھتیں، نفل پڑھتیں اور وہیں بیٹھ کر کتابیں پڑھتیں۔ اذکار کرتیں اور اس مصلّٰی سے باہر کب نکلتیں جب اپنے گھر میں، گھر سے باہر نہیں مصلّٰی سے باہر، جو گھر کے کسی آخری کونے میں بنا رکھا تھا، کب نکلتیں؟ قضائے حاجت کے لیے یا پھر رات کو سونے کے لیے۔ یہ حفصہ بنت سیرین ہیں۔ انس بن عیاض ایک محدث ہیں۔ صحیح بخاری



کے راوی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک حفصہ بنت سیرین کا علم ان کے والد سے زیادہ تھا۔ ان کے والد محمد بن سیرین چوٹی کے محدث، علمائے تابعین میں سے۔ فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک حفصہ کا علم ان کے والد سے زیادہ تھا۔'' یہ ہے مسلم خواتین کا کردار۔

ابن العربی فرماتے ہیں کہ میں نے نابلس میں کچھ وقت گزارا۔ نابلس (فلسطین) عرب کا ایک شہر ہے۔ اس شہر کی ایک تاریخ یہ بھی ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ہزاروں بستیوں کا دورہ کیا ہے حصولِ علم کے لیے۔ نابلس میں کچھ وقت میں نے گزارا ہے۔ کچھ سال وہاں گزارے ہیں۔ نابلس میں اپنے قیام کے دوران دن کے وقت کوئی خاتون میں نے گھر سے باہر نہیں دیکھی۔ دن کے وقت سوائے جمعہ کے دن کے۔ جمعہ کے دن نابلس کی سڑکیں باپردہ عورتوں سے بھری ہوتیں جو مسجد میں آکر جمعہ ادا کرتیں۔ جمعہ ادا کر کے مسجد سے نکلتیں اور سڑکیں بھری ہوتیں، اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں، پورا ہفتہ چھپی رہتیں گھروں میں۔ گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں۔ ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ یہ تاریخ اپنے گھروں میں بیان کریں۔ یہ تاریخ بیان کریں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، کیا ان کا پردہ تھا! میں سمجھتا ہوں کہ پردے کی جس قدر مثالیں دی جائیں اس مثال پر ختم ہیں۔ اس مثال پر وہ سب ختم ہیں۔ نبی علیہ السلام فوت ہوئے۔ آپ کو دفن کیا گیا حجرہ عائشہ میں۔ یہ بڑی سعادت ہے۔ ایک خواب دیکھا تھا کہ «ثَلَاثَةُ أَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِي حُجْرَتِي» تین چاند میرے کمرے میں ٹوٹ کر گرے۔ پریشان کہ یہ تین چاند کیا ہیں؟ اس کی تعبیر کیا ہے؟ اپنے باپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس کی تعبیر کا۔ وہ خاموش ہوگئے۔ جس دن پیغمبر علیہ السلام کا انتقال ہوا اور حجرہ عائشہ میں ان کی تدفین ہوئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا: عائشہ! یہ پہلا چاند گرا ہے۔ یہ سب سے بہترین چاند ہے۔ تدفین ہوگئی۔ پھر دوسرا چاند گرا ان کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اسی کمرے میں دفن ہوئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت اس کمرے میں آتی تھیں پردے کے بغیر۔ پھر تیسرا چاند گرا امیر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ (مجمع الزوائد: 382/7) عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد اس کمرے میں میں جب آئی پردہ کر کے آئی۔ کیوں؟ یعنی پردے کی جتنی مثالیں ہیں اس مثال کے سامنے ہیچ ہیں۔ امیر عمر اجنبی ہیں لیکن فوت ہوچکے ہیں۔ منوں مٹی کے نیچے، اس دنیا سے تعلق ان کا ٹوٹ چکا۔ مگر کیا غیرت اور کیا پردہ! کہ اس کمرے میں آتیں، حالانکہ وہ میت ہیں، زمین میں مدفون ہیں، کوئی ان کو علم نہیں اس زمین کی پشت پر کیا ہو رہا ہے؟ کون آ رہا ہے اور کون جا رہا ہے؟ کوئی علم نہیں۔ مگر کیا ان کا پردہ ہے! اور کیا شرعی غیرت ہے کہ اس کے بعد جب بھی اس کمرے میں آئیں اپنے پورے حجاب کے ساتھ آئیں۔ حجاب کرو نہ کرو، اگر وہ عالم الغیب ہے اور باہر کی چیزوں کو دیکھ رہا ہے تو پردے کے اندر بھی وہ دیکھ سکتا ہے۔ یہ عقیدہ اس سے نہیں بنا۔ اس مسئلے میں، اس واقعے میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی غیرت کا اور حجاب سے محبت کا ایک عجیب نمونہ ہے۔ حالانکہ فوت ہوچکے ہیں اور منوں مٹی کے نیچے ہیں۔ فرمایا کہ جب بھی آئی ہوں پردے کے ساتھ آئی ہوں۔

ان کی ایک لونڈی ان کے پاس آئی اور آ کر ہنس کر ان کو ایک خبر دی کہ میری ماں ام المومنین! آج میں نے بیت اللہ کا طواف کیا ہے اور سات چکروں کے دوران میں نے تین چار دفعہ حجر اسود کو بوسہ دیا۔ بوسہ دینے میں کامیاب ہوگئی۔ فرمایا کہ «لَا أَجَرَكِ اللّٰه، لَا أَجَرَكِ اللّٰه» تجھے اللہ تعالیٰ اس بوسے کا اجر نہ دے۔ اس بوسے کا اجر نہ دے۔ «تُدَافِعِينَ الرِّجَال» تم نے کتنے مردوں سے مزاحمت کی ہوگی۔ کتنے دھکے دیے ہوں گے اور کتنے دھکے کھائے ہوں گے تب تو نے بوسہ دیا ہوگا۔ تیری یہ نیکی کسی پذیرائی اور کسی اجر کے قابل نہیں ہے۔ «لَا أَجَرَكِ اللّٰه» تجھے اللہ اس نیکی کا اجر نہ دے۔ فرمایا کہ یہ کافی تھا تیرے لیے کہ تو گزرتے ہوئے استلام کر کے گزرتی۔ تکبیر کہہ کر گزرتی۔ یہ بھی اللہ کے پیغمبر کا فرمان ہے۔ یہ کافی تھا تیرے لیے۔ (سنن الکبریٰ للبیهقی: 81/5) یہ کیسا شرعی غیرت کا اہتمام ہے۔ ہم یہ واقعات، پاکیزہ واقعات اپنے گھروں میں سنائیں تاکہ ہمارے گھر عفت و پاکدامنی کا مرکز بن جائیں اور یہ اصلاح ممکن ہے۔ «عَلَيكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ» فتنوں کے دور میں تو اپنے خاصت نفس کو سنبھال لے۔ (جامع الترمذي: 3058) جو تیرے عزیز ہیں، اہل خانہ ہیں، انھیں سنبھال



لے، ان کی اصلاح کر، ان کے اندر یہ علمِ نافع داخل کریں اور تربیت کے نقوش داخل کریں۔ باقی یہ فحاشی کا سیل رواں، اس کی وعید آپ نے سن لی ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ﴾ جو لوگ چاہتے ہیں کہ فحاشی پھیلے اور فحاشی کو اشاعت ملے، مسلمانوں کے معاشرے میں، اہل ایمان کے معاشرے میں، وہ اس فحاشی کو پھیلانا چاہتے ہیں، اس کردار پر پوری طرح آمادہ ہیں اور جو بھی طرق اور اسباب اور ذرائع ہیں اس فحاشی کو پھیلانے کے ان کو وہ اختیار کررہے ہیں، ﴿لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دردناک عذاب ہے۔ اور آگے کیا فرمایا؟ دنیا میں دردناک عذاب اللہ کی حدود کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے۔ حدوداللہ میں بھی ہوسکتا ہے۔ زنا کی حد رجم میں سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی، چوری کی حد جو ہے وہ ہاتھ کاٹنا اور شراب نوشی کی حد کوڑے۔ دنیا میں یہ سزا ہے۔ ہیبت ناک سزا ہے، اور قیامت کا عذاب الیم ہے، دردناک عذاب ہے۔ یہ تمھارا مقدر بن جائے گا۔ ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ''اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔'' (النور 19:24) اس کے دو معنی ہیں۔ اس میں بڑی وعید چھپی ہوئی ہے۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ ایک معنی یہ کہ فحاشی جس کی تم تشہیر کررہے ہو، جس کو تم عام کررہے ہو اس فحاشی میں کیا مفاسد ہیں؟ اور کس قدر اللہ کی غیرت کو للکارا جارہا ہے؟ کس قدر خالق کائنات کی ناراضگی ہے؟ ان تمام باتوں کو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ تمھیں معلوم نہیں۔ اللہ اکبر۔ یہ بہت بڑی وعید ہے۔ بہت بڑی وعید ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب الیم کی نشاندہی کی ہے، وہ کتنا دردناک عذاب ہوگا؟ اس کی دردناکی کو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ تمھیں معلوم نہیں ہے۔ تم باز آجاؤ۔ اس معصیت کی حقیقت کا ادراک بھی اللہ کو ہے تمھیں نہیں ہے۔ اس کے مفاسد اور اس کے نتیجے میں جو عذاب ہیں اس عذاب کی کلفت کا، اس کی شدت کا، اس کی خشونت اور غلظت کا تمھیں احساس و ادراک نہیں ہے اللہ کو ہے تم باز آجاؤ۔ یہ سمجھایا جارہا ہے۔ یہ نصیحت کی جارہی ہے۔ تو پھر ہمیں اس نصیحت کو قبول کرنا ہے۔ ان باتوں کو عام کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والا ہے۔ لیکن کم از کم اپنے ماحول کی اصلاح کریں۔ اپنے گھرانے کی اصلاح کریں، اپنے تعلق داروں کی اصلاح کریں اور ان کو اللہ کا خوف دلایا جائے کہ یہ جتنے بھی فتنے ہیں کیا ان کی تباہ کاریاں ہیں اور اس کے مقابلے میں دینی حمیت کے تقاضے کیا ہیں۔ شوہر بھلا کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ اس کی بیوی بے پردہ ہو، اس کی بیوی بے پردہ ہو یہ کیسے برداشت کرسکتا ہے۔ یہی تو دیاثت ہے۔ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے: تین بندوں پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا ہی نہیں۔ تین انسان ہیں اللہ ان کو دیکھے گا ہی نہیں۔ ان میں ایک دیوث ہے۔ (السلسلة الصحيحة: 2/173) انھیں بتایا جائے کہ یہ دیاثت تمھیں گوارا ہے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ رب العزت قیامت کے روز تمھیں دیکھے ہی نہ۔ یہ چاہتے ہو تم؟ دیاثت، کتنا یہ خطرناک جرم ہے اور پھر غیرت، غیرت کے تقاضے کیا ہیں؟ ابوعبداللہ فرماتے ہیں کہ میں قاضی ابوموسیٰ کی عدالت میں تھا، بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے ایک دوست تھے تو عدالت میں ساتھ چلے گئے۔ ایک کیس سامنے آیا۔ کیس یہ تھا کہ ایک شخص اس کی بیوی کے جو اولیاء تھے، مثلاً باپ اس کا، اس نے اس شخص پر دعویٰ دائر کیا تھا کہ اس نے نکاح کے وقت پانچ سو حق مہر کا تعین کیا تھا۔ وہ مہر ادا نہیں کررہا ہے۔ پانچ سو درہم یا پانچ سو دینار۔ وہ حق مہر اسے ادا کرنا ہے مگر وہ ادا نہیں کررہا۔ اب قاضی نے اگلی پیشی میں طلب کرلیا ہوگا گواہوں کو اور اس عورت کو تاکہ قضیے کی تہہ تک پہنچا جائے۔ گواہوں کی گواہی لی جائے۔ اور معاملہ دیکھا جائے کون سچا کون جھوٹا ہے۔ شوہر اس کا انکار کررہا ہے۔ اور بیوی کے اولیاء دعویٰ پیش کررہے ہیں کہ اس نے یہ حق مہر متعین کیا تھا۔ اگلی پیشی میں سب موجود ہیں۔ گواہ آگئے۔ نکاح میں اسی لیے گواہ ہوتے ہیں۔ دو گواہ شرط ہیں ان کے بغیر نکاح نہیں ہوتا تاکہ ایسے اختلاف میں وہ گواہی دے سکیں۔ ہاں بھئی تم موجود تھے؟ ہاں موجود تھا۔ اس عورت کو جانتے ہو؟ ہاں جانتا ہوں۔ عورت تمھیں دکھائی جائے گی، گواہی کے تقاضے تبھی پورے ہوں گے۔ جب گواہ پہچان لے کہ واقعی یہ عورت تھی۔ ہوسکتا ہے پردے میں کوئی اور عورت بیٹھی ہو۔ اب قاضی نے حکم دیا اس



خاتون کو کہ اپنا چہرہ کھولو تا کہ گواہ تمھیں دیکھ لے۔ شوہر موجود ہے، شوہر کھڑا ہوگیا۔ کہا: قاضی صاحب! میری بیوی کا چہرہ نہ کھولا جائے میں ان پانچ سو دینار کا اقرار کرتا ہوں۔ میں وہ ادا کروں گا۔ یہ ہے غیرت مردانہ اپنے اہل خانہ کے تعلق سے۔ وہ پانچ سو دینار میں دے دیتا ہوں میری بیوی کے چہرے کو ننگا نہ کیا جائے۔ یہ ہے غیرت۔ کہاں گئی یہ غیرت؟ اور پھر یہ دیاثت، اللہ تعالیٰ دیکھے گا ہی نہیں قیامت کے دن۔ کوئی شخص یہ چاہے گا؟ تو پھر ہم کم ازکم اس طوفان بدتمیزی کا حصہ تو نہ بنیں۔ اپنی اصلاح کریں، اپنے اہل خانہ کی اصلاح کریں۔ اور پھر یہ جو ایک عام وبا ہے اس فحاشی کی صورت میں اور مختلف گناہوں کی صورت میں اس کے تعلق سے جو دعوت ہم عام کرسکتے ہیں وہ عام کریں۔ افہام وتفہیم سے بہت کچھ اصلاح ممکن ہے۔ اللہ پاک توفیق عطا کردے۔ اللہ رب العزت ہمارے گھروں کو عفت وعفاف کا آئینہ دار بنادے، اللہ ہمارے گھروں کی اصلاح فرمادے، اللہ تعالیٰ شیطان کی شرارتوں سے ہمارے گھرانے کو محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ تقویٰ پر، ورع پر اور تعلق باللہ پر ہمارے گھروں کی بنیادوں کو قائم رکھے۔ تا کہ ہم اس دیاثت کا حصہ نہ بنیں اور وہ بے غیرتی جو ایک عمومی شکل اختیار کرچکی ہے اللہ ہمیں اس سے عافیت عطا فرمادے، ہماری اس سے حفاظت فرمادے، وَاَقُولُ قَولِي هَذَا وَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِي وَلَكُم وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.



ابوعبداللہ

دارُالسّلام

انعامی کوئز پروگرام

Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہِ مئی کے درست جوابات

① رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن تھیں۔
② سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا تھا۔
③ سفر ہجرت میں نبی ﷺ نے ام معبد رضی اللہ عنہا کی بکری کا دودھ نوش فرمایا تھا۔
④ ماہِ رجب کی بدعات: رجب کے پہلے جمعہ کی رات مغرب کے بعد 12 رکعات، صلاۃ الرغائب، رجب کے کونڈے اور ستائیسویں شب ''شب معراج'' منانا وغیرہ۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

برہان القمر (وہاڑی)، محمد دانش (ساہیوال)، نورین مریم (فیصل آباد)، محمد بن مختار (کراچی) محمد شان الرحمٰن، عبدالرزاق (لاہور)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① معمولی تنخواہ کے ساتھ نہ تو انھیں کوئی میڈیکل الاؤنس دیا جاتا ہے اور نہ فیملی رہائش کی سہولت۔
② اس آدمی کے لیے نہ تو دیت ہے اور نہ ہی قصاص۔
③ عالمی سطح پر مسلمانوں کا تاثر بھی ''رسوائی'' کی سزا کا پتہ دیتا ہے۔
④ وہ شریعت عورت کے چہرے کو کھولے گی جو اس کے پاؤں کی آہٹ کو چھپا رہی ہے؟

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قرآن کی حفاظت ہم خود کریں گے۔ یہ کہاں پر ہے؟
② حدیث مکمل کریں: بچہ سات سال کا ہوجائے تو اسے نماز کا حکم دو.....
③ واقعہ معراج کی تاریخ میں اختلاف ہے، راجح قول کیا ہے؟
④ شب براءت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟



آم، پھلوں کا بادشاہ

ڈاکٹر طارق ریاض

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمت ''آم'' کا شمار نباتات کے خاندان ''ANACARDIACEAE'' سے ہے۔ مینگو (Mango) یا ''آم'' کا سائنسی نام ''MANGIFERA INDICA'' ہے۔ یہ نرم و گداز شیریں پھل ہے جو ایک درخت پر لگتا ہے۔ آم سے انسان کی دوستی بڑی پرانی ہے۔ تاہم یہ درخت جنوبی ایشیا سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں سے یہ ساری دُنیا میں جا پہنچا۔ یہ درخت بنگلہ دیش کا قومی درخت ہے جبکہ پھل (آم) پاکستان، بھارت اور فلپائن کے قومی پھل کا درجہ رکھتا ہے۔ دنیا کے کئی مذاہب بشمول ہندومت میں اس درخت کے پتوں کو مذہبی رسومات میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے پتوں (Leaves) کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔

آم کا درخت 35 سے 40 میٹر (115 سے 130 فٹ) بلند ہوتا ہے۔ جبکہ اس کا پھیلاؤ 33 فٹ (10 میٹر) تک ہوسکتا ہے۔ درخت کی عمر خاصی ہوتی ہے۔ اگر بیماری، موسم اور انسانی جبر سے محفوظ رہے تو یہ 300 برس تک زندہ رہتا ہے۔ کیونکہ یہ درخت ہے اس کا تنا مضبوط و پھیلا ہوتا ہے۔ اسے سہارا دینے کے لیے 20 فٹ گہرائی تک جڑیں موجود ہوتی ہیں۔ جوں جوں درخت بوڑھا ہوتا ہے اس کے تنے سے داڑھی سی نکلتی ہے جو درحقیقت جڑیں ہوتی ہیں۔ یہ شاخوں سے لٹک کر ہوا میں موجود نمی کو جذب کرتی ہیں اور بعدازاں نمو پاکر رفتہ رفتہ سال ہاسال کی نشوونما کے نتیجے میں زمین میں پیوست ہوجاتی ہیں اور زمین سے پانی و نمکیات جذب کرنے کے ساتھ ساتھ درخت کے موٹے و مضبوط تنے کو سہارا بھی دیتی ہیں۔ تنے سے نکلنے والی شاخوں پر سدا بہار پتے نکلتے ہیں۔ ان پتوں کی لمبائی 15 سے 35 سینٹی میٹر جبکہ چوڑائی 6 سے 16 سینٹی میٹر ہوسکتی ہے۔ جوان پتوں کا رنگ نارنجی یا سرخی مائل ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ گہرے سبز رنگ میں بدل جاتا ہے۔ آم کے پھول گچھے (Panicles) کی صورت میں شاخوں کے سروں پر لگتے ہیں۔ جو 10 سے 40 سینٹی میٹر لمبے ہوتے ہیں۔ یہ پھول چھوٹے اور سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ ہر پھول کی پانچ پتیاں ہوتی ہیں جو 5 سے 10 ملی میٹر لمبی ہوتی ہیں۔ ان پھولوں سے مخصوص قسم کی خوشبو نکلتی ہے تاکہ حشرات متوجہ ہوکر زیرگی (Pollination) کا عمل کریں اور باروری (Fertilization) ہوسکے۔ پھول کی اووری پک کر پھل بن جاتی ہے جسے آم کہتے ہیں۔ ان آموں سے بھینی بھینی خوشبو ماحول کو معطر کردیتی ہے۔ آم کے اندر ایک بیج ہوتا ہے جو 4 سے 7 سینٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ اس بیج (گٹھلی) کے اندر ایمبریو ہوتا ہے جو نمو پاکر نیا پودا بن جاتا ہے۔

جیسا کہ شروع میں بیان ہوا کہ انسان کی آم سے دوستی خاصی پرانی ہے۔ اس کی وجہ عام طور پر یہی سمجھی جاتی ہے کہ آم اپنے موسم میں اپنے خوش ذائقہ ہونے کی وجہ سے عام ہوجاتا ہے۔ چھوٹے بڑے، امیر و غریب اس کے سحر میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں ہزاروں برس سے آم کی کاشت جاری ہے۔ پھر تاجروں کی وجہ سے یہ پھل مشرقی ایشیا جا پہنچا جہاں کے لوگ اس پھل کی مٹھاس میں کھوگئے۔ یہ بات 5 سے 4 قبل مسیح کی ہے۔ جبکہ ہزار برس سے کچھ پہلے آم مشرقی افریقہ جا پہنچا۔ 14 ویں صدی میں مشہور زمانہ ابن بطوطہ نے بھی سفرنامے میں آم کا تذکرہ کیا ہے جس میں اُس نے افریقہ میں اس پھل کی کاشت اور مقبولیت کا ذکر کیا ہے۔ کاشت کے اعتبار سے آم کی کل پیداوار کا نصف حصہ بھارت میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد چین کا نمبر ہے۔ پاکستان آم کی پیداوار کے اعتبار سے اگرچہ دنیا کا پانچواں بڑا ملک ہے لیکن اپنے ذائقے اور خوشبو کے اعتبار سے پاکستانی آم کا مقابلہ نہیں۔ مصر، بھارت، آسٹریلیا، فلپائن



اور اسپین کے آم بھی پاکستانی اقسام کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ عالمی مارکیٹ میں سنٹرل افریقہ، بنگلہ دیش اور امریکہ کے آم بھی فروخت کے لیے آتے ہیں لیکن عرب ممالک میں پاکستانی آم پسندیدگی کے لحاظ سے نمبر وَن ہے۔ گو پیداواری اعتبار سے بھارت بہت آگے ہے لیکن عالمی منڈی میں بھارتی آم پاکستانی اقسام کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

دنیا بھر میں آم کی 1000 سے زائد اقسام یا CULTIVARS موجود ہیں لیکن ان میں سے پیوند شدہ (Grafted) زیادہ تر کاشت کی جاتی ہیں۔ آم، جسے کچا آم یا امبی کہتے ہیں، ذائقے میں ترش ہوتا ہے۔ اس کی وجہ کچے آم میں چند ایسڈز (ACIDS) پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آگزالک ایسڈ (OXALIC ACID)، سٹرک ایسڈ، (CITRIC ACID) اور مے لِک ایسڈ (MALIC ACID) وغیرہ۔ ہمارے ملک میں کچا آم بطور اچار استعمال کیا جاتا ہے۔ کچے آم میں وٹامن سی بکثرت پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں وٹامن بی اور نیاسن (NIACIN) بھی موجود ہوتا ہے۔ ماہرین کچے آم کو زیادہ کھانے سے منع کرتے ہیں کیونکہ زیادہ کھانے سے گلہ خراب ہونے اور قبض ہوجانے کا امکان ہوتا ہے۔ تاہم کچے آم کو کھانے سے سکروی (SCURVY) کا مرض کم ہوتا ہے اور گرمی کی شدت سے نجات ملتی ہے۔ ہمارے ہاں خواتین کچا آم خشک کر کے آم چُور بنالیتی ہیں۔ یہ آم چُور کڑاہی گوشت اور مصالحہ جات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جو کھانے میں کھٹاس پیدا کرتا ہے اور خوراک کے ہاضمے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

ایک پکا ہوا آم شیریں اور فرحت بخش ہوتا ہے۔ اسی لیے آم کو پھلوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ ایک شیریں و میٹھا آم گلوکوز کا خزانہ ہوتا ہے۔ اسی لیے ذیابیطس کے مریضوں کو آم کھانے سے روکا جاتا ہے کیونکہ اس کی معمولی مقدار بھی خون میں کئی گنا گلوکوز کا اضافہ کر دیتی ہے۔ تاہم صحت مند انسان کے لیے ایک پکا ہوا آم توانائی اور غذائیت کا بے نظیر خزانہ ہے۔ جو پروردگار عالم نے اپنے بندوں کے لیے مکمل غذا بنا کر بھیجا ہے۔ آم کے گودے میں پروٹین، چکنائی، نمکیات، ریشے (Fibers) اور نشاستہ کی بڑی مقدار پائی جاتی ہے۔ آم وٹامن سی، وٹامن بی، کیلشیم، فاسفورس، آئرن، وٹامن K، وٹامن E، میگنیشیم، منگنیز، سوڈیم و زنک وغیرہ سے بھرپور ہوتا ہے۔ اسی لیے کمزور جسم اور دبلے افراد کو میٹھے آم اور ان کا جوس پینے کا مشورہ دیا جاتا ہے کیونکہ یہ مکمل غذا جسم کے عضلات کو مضبوط کرتی ہے اور گوشت اور خون بناتی ہے۔ جس وجہ سے جسم گوشت سے بھر جاتا ہے اور دبلا پن ختم ہوجاتا ہے۔ کیوبا کے ماہرین نے آم کے درخت کی چھال سے ایک مرکب ''VIMANG'' دریافت کیا ہے جو خون سمیت کئی امراض کے علاج میں مفید پایا گیا ہے۔ تاہم یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ آم کی زیادتی سے جلدی امراض پیدا ہوسکتے ہیں۔ گلوکوز زیادہ ہونے کی وجہ سے پھوڑے پھنسیاں نکل آتے ہیں۔ اسی لیے آم کھانے میں بھی اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

الحمدللہ پاکستان میں درجنوں اقسام کے آم اُگائے جاتے ہیں جو اپنے ذائقے، رنگ، خاصیت و خوشبو کے اعتبار سے اپنی اپنی جگہ بے مثال ہیں۔ ان میں سندھڑی، چونسہ، انور لٹور، طوطا پری، فجری، لنگڑا، دیسی، بارہ نمبر، دوسیری، خوشبو وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ دودھ کے ساتھ ملا کر ملک شیک یا آم کھا کے اُوپر سے لسی پینے سے اس کی افادیت سے مزید فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

ہمارے ملک میں یہ پھل عام ہے اور ہر امیر و غریب اس کی کوئی نہ کوئی قسم خرید کر کھا سکتا ہے، اسی لیے اس کا استعمال بھی بکثرت ہے۔ چٹنی، اچار وغیرہ کے علاوہ یہ جوس و سکواش کی تیاری میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات مدنظر رہنی چاہیے کہ آم کا استعمال فربہ کرتا ہے۔ یہ موٹاپا پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے بیٹھ کر کام کرنے والوں کو بہت زیادہ مقدار میں میٹھے آم نہیں کھانے چاہئیں۔

قدرت کے اس تحفے سے اغیار کی قومیں استفادہ کر رہی ہیں۔ 50 سے 100 روپے کلو والے آم کو ہمارے خریداروں و کاشتکاروں سے لے کر غیر ملکی کمپنیاں اس کے PULP اور JUICE سے نئی نئی مصنوعات جام وغیرہ تیار کر کے فروخت کرتی ہیں۔ وہ آم جو ہم باآسانی اصل حالت میں سو پچاس روپے میں کھا سکتے ہیں۔ اگر انھیں چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی دو سو سے 500 روپے مالیت کی بوتلیں خریدیں تو یہ ہماری دو طرح کی بدقسمتی ہے۔ اول قدرت کے اصل ذائقے سے محرومی اور کفار کے ہاتھ میں اپنی معیشت کی حوالگی۔ ✱✱✱✱

قرآن میں مذکور ماؤں کا تذکرہ

طارق جاوید عارفی



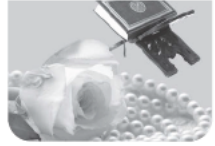
قرآن مجید نصیحت اور عبرت کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس عظیم کتاب میں کچھ قصے اور واقعات بیان کیے ہیں، لیکن قصص پر مبنی دیگر کتابوں کی طرح لطف اندوزی اور تفریح کے لیے نہیں بلکہ عبرت اور نصیحت کے لیے۔ پھر قرآن مجید کی یہ خوبی اور انفرادیت ہے کہ وہ کسی بھی قصے اور واقعے کو مکمل تفصیل سے بیان نہیں کرتا، بلکہ صرف ان اہم اجزاء کو بیان کرتا ہے جن سے کچھ سبق حاصل ہوتا ہے اور عبرت وموعظت کا سامان میسر آتا ہے۔ یہ واقعات اور قصص جہاں مَردوں کے ہیں، وہاں عورتوں کے بھی ہیں۔ کچھ واقعات تفصیلی، کچھ مختصر اور کچھ انتہائی مختصر۔ تاہم جو واقعہ جس جگہ جن الفاظ میں بھی ذکر کیا گیا ہے، وہ کسی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ ہماری مخاطب چونکہ اسلامی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں ہیں، اس لیے ہم مردوں کی بجائے قرآن مجید میں مذکورہ عورتوں کے واقعات اور ان سے ماخوذ پند ونصائح کا ذکر کریں گے۔ زیرِنظر مضمون قرآن میں مذکور بعض ماؤں کے احوال پر مشتمل ہے۔

قرآن مجید میں بطور ماں پانچ خواتین کا ذکر ہے۔ ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ''ام'' (ماں) کے نام سے یاد کیا ہے اور بعض کا ذکر «اَبَوَیہ» (ماں باپ) کے الفاظ سے کیا ہے جن میں ماں کے ساتھ باپ کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔ اس انداز میں جن خواتین کا ذکرِ خیر قرآن مجید میں آیا ہے، ان کی تعداد پانچ ہے۔ وہ خوش نصیب خواتین کون سی ہیں، ان کے مثالی کردار میں خواتین کے لیے کیا اسباق اور نصیحتیں ہیں، ہم ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

① والدہ سیدنا یوسف علیہ السلام

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ وہ واحد قصہ ہے جو قرآن مجید میں ایک جگہ بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، البتہ اس قصے کے بہت سے گوشے ایسے ہیں جو وضاحت طلب ہیں۔ قرآن مجید میں کسی دوسری جگہ ان کی وضاحت نہیں کی گئی، کیونکہ قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ عبرت اور نصیحت کی کتاب ہے۔ اس لیے اس واقعے کے جو اجزاء رہنمائی اور نصیحت کے لیے ضروری تھے انھیں ذکر کردیا گیا اور جو امور غیرضروری تھے، ان سے صرف نظر کیا گیا۔

قرآن مجید کے بیان کے مطابق پتا چلتا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج وچاند انھیں سجدہ کررہے ہیں۔ انھوں نے یہ خواب اپنے والد گرامی سیدنا یعقوب علیہ السلام کے گوش گزار کیا۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے نبوی بصیرت سے اندازہ لگالیا کہ آنے والے وقت میں ان کا بیٹا نبوت سے سرفراز ہوکر ان کا جانشین بنے گا۔ اس لیے انھوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو تاکید کی کہ وہ اپنا خواب بھائیوں کو نہ سنائیں، کہیں وہ حسد کا شکار ہوکر ان کے خلاف کوئی غلط قدم نہ اٹھالیں۔ اللہ کا کرنا ہوا کہ بھائیوں کو اس خواب کی بھنک پڑگئی اور پھر وہی ہوا جس سے سیدنا یعقوب علیہ السلام ڈرتے تھے۔ بھائیوں نے آتش حسد سے سیخ پا ہوکر قتل یوسف کا پروگرام بنایا اور انھیں اندھے کنویں میں گرادیا۔ یہیں سے سیدنا یوسف علیہ السلام کی والدین سے جدائی کا آغاز ہوا۔ حافظ ابن کثیر کے بقول یہ جدائی اٹھارہ سال تک محیط تھی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کنویں سے نکالے گئے اور بکتے بکاتے مصر پہنچ گئے۔



عزیز مصر کا قصر شاہی ان کا مسکن ٹھہرا۔ یہیں عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کے ستم کا شکار ہوئے اور پس دیوار زنداں چلے گئے۔ پھر بادشاہ کے خواب کی تعبیر کرنے پر مصر کے وزیر خزانہ بن گئے۔ مصر اور مضافات کے علاقے شدید قحط سے دوچار ہوئے، لیکن سیدنا یوسف علیہ السلام نے پیشگی ان حالات سے نبٹنے کا سامان تیار کرلیا تھا۔

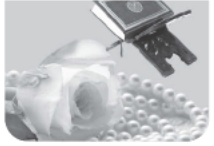
اب سوائے مصر کے اور کہیں غلہ نہ تھا۔ برادرانِ یوسف بھی قحط سے متاثر ہوکر غلے کے حصول کے لیے مصر آئے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے انھیں پہچان لیا اور آئندہ اپنے سگے بھائی بنیامین کو لانے کی تاکید اور غلہ اس کی آمد کے ساتھ مشروط کردیا۔ اس طرح اگلے سال بنیامین بھی مصر آگئے اور ایک خاص تدبیر سے مصر میں روک لیے گئے۔ اس بار بھی بھائیوں کے پاس غلے کی خریداری کے لیے کچھ نہ تھا سوائے معمولی سی پونجی کے۔ وہ اسی حقیر سی پونجی کے ساتھ مصر آئے اور وزیر خزانہ (سیدنا یوسف علیہ السلام) سے رحم کی اپیل کرنے لگے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے حقیقت حال ان پر واضح کردی، اور انھیں معاف کردیا اور اپنی قمیص دے کر ایک قاصد کنعان روانہ کیا کہ ان کے والدین کو مصر لے آئے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے ماں باپ جب مصر پہنچے تو انھوں نے اپنی ماں اور باپ دونوں کو اپنے پاس شاہی تخت پر جگہ دی، یعنی اپنے بھائیوں سے جدا خصوصیت سے اپنے والدین کو اپنے پاس اکٹھے بٹھایا، پھر اپنے والدین اور بھائیوں سے کہا: ﴿اُدْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ﴾ ''اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن و امان کے ساتھ مصر آؤ۔'' (یوسف 99:12) اس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو ان کی تعظیم و تکریم کی خاطر تخت شاہی پر بٹھا کر ان کی شان و عظمت کو دوبالا کردیا۔ اس کے بعد یوسف علیہ السلام کے والدین اور سب بھائی ان کے حضور سجدۂ تعظیمی بجالائے اور سیدنا یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر عملی صورت میں پوری ہوگئی۔

قرآن مجید نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے والدین کے لیے «اَبَوَیْہ» کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اَبَوَیْن حقیقی والدین کو کہتے ہیں۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام سیدنا یوسف علیہ السلام کے حقیقی والد تھے اور جو خاتون ان کے ساتھ مصر آئیں قرآن کے الفاظ کے مطابق وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ تھیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ ان کے چھوٹے بھائی بنیامین کی ولادت کے موقع پر حالت زچگی میں فوت ہوگئی تھیں اور سیدنا یعقوب علیہ السلام کے ساتھ جو خاتون مصر آئی تھیں وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ لیکن کسی مستند ذرائع سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوسکی کہ وہ خاتون واقعی سیدنا یوسف علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ جو ذرائع اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہیں، وہ سب کے سب اسرائیلی ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا قرآن مجید کے ظاہر پر اعتماد کرتے ہوئے ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنے والی ان کی سگی اور حقیقی والدہ تھیں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا تھا؟ اس کا پتہ لگانے کے لیے ہمارے پاس کوئی پختہ ذریعہ نہیں ہے۔ اہل کتاب ان کا نام راحیل بتاتے ہیں۔ حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اب دیکھیے کہ والدین سے اچانک ان کا لاڈلا بیٹا چھین لیا جائے تو ان پر کیا بیتتی ہے۔ عورت تو پھر کمزور ہے، مرد بھی ایسے شدید صدمے کی تاب نہیں رکھتے۔ دیکھیں سیدنا یعقوب علیہ السلام کس طرح بیٹے کے فراق کے غم میں گھل گئے۔ آنکھیں سفید ہوگئیں۔ ایسے عالم میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی والدہ کا کیا بنتا ہوگا۔ غم و اندوہ نے کس طرح انھیں توڑ کر رکھ دیا ہوگا۔ ایسا یقیناً ہوا ہوگا، لیکن قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ دونوں میاں بیوی نے صبر جمیل سے کام لیا۔ سختیوں اور پریشانیوں کو بڑے حوصلے سے برداشت کیا اور لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ کا در چھوڑ کر کسی اور در سے رابطہ نہیں کیا۔ کیا کمال حوصلہ تھا والدۂ یوسف کا! آج کل کی خواتین ایسے امتحانات میں اکثر ناکام ہوجاتی ہیں۔ پریشانی کی شدت انھیں شیطان کا پیروکار بنادیتی ہے۔ پھر وہ وقت آتا ہے کہ وہ اپنی پریشانی کے حل کے لیے ایسوں کے ہاں چلی جاتی ہیں جہاں اس کے غم کا مداوہ تو نہیں ہوتا البتہ متاعِ حیا اور دولت دنیا ضرور لٹ جاتی ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی والدہ کے اس مثالی کردار میں عہد حاضر کی خواتین کے لیے یہ سبق ہے کہ وہ اپنے عقیدے کو مضبوط کریں۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ کے متعلق ان کے عزم و امید میں ذرا سی بھی کمزوری نہیں آنی چاہیے۔ بارگاہِ رب العالمین میں ان کا جس قدر دھیان ہوگا، اسی قدر نعمتوں کا حصول ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے والدین کو تخت شاہی پر بٹھا کر ان کی قدر و منزلت کا اعتراف کیا۔ اور لوگوں پر واضح کردیا کہ دنیا میں بڑا مقام والدین



کی خدمت اور ان کی دعاؤں کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا اس مقام پر پہنچنا اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے بعد ان کے والدین کی دعاؤں ہی کا نتیجہ اور ثمرہ تھا۔

والدہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام

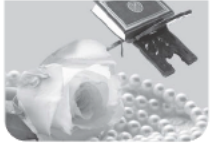
سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ بیان ہوا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں دو مقامات ایسے ہیں جہاں ان کی والدہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ ایک مقام سورۂ طٰہٰ کی آیات 38 تا 40 ہے اور دوسرا مقام سورۃ القصص کی آیات 7 تا 14 ہے۔ ان مقامات پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا ذکر جس تناظر میں ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے جس نے مصر کا احاطہ کرلیا ہے اور تمام قبطی اس کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔ صرف بنواسرائیل اس سے محفوظ رہے ہیں۔ اس وقت کے کاہنوں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون، اس کی سلطنت اور اس کے دین کو تباہ کردے گا۔ اس پر فرعون نے یہ حکم نامہ جاری کردیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوا سے قتل کردیا جائے اور لڑکی کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ اس منصوبہ کے تحت ہزاروں اسرائیلی بچے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے، مگر ارادۂ خداوندی پورا ہوکر رہا۔ اسی ہنگامۂ کشت و خون میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ گھبرائیں کہ ان کا بچہ قتل کردیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور فرمایا کہ ہم انھیں تمھاری طرف لوٹائیں گے اور انھیں اپنے رسولوں میں سے کردیں گے۔ رب العالمین نے اپنے وعدے کی تکمیل کے لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے لیے قصر فرعون کا انتخاب کیا، ام موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ انھیں ایک صندوق میں ڈال کر دریا کی لہروں کے سپرد کردیں۔ انھوں نے ایسے ہی کیا۔ اور اپنی بیٹی، یعنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بہن کو کہہ دیا کہ وہ اس صندوق کے پیچھے چلے اور دور سے اسے دیکھتی رہے کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ یہ صندوق جب قصر فرعون کے پاس سے گزرا تو فرعون کی بیوی سیدہ آسیہ نے اسے نکلوالیا۔ سیدہ آسیہ اولاد سے محروم تھیں، انھیں یہ خوبصورت بچہ بڑا پسند آیا۔ ان کی خواہش تھی کہ انھیں اپنا بیٹا بنالیں۔ لیکن فرعون بدبخت نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا۔ اس طرح سیدہ آسیہ کو ہدایت نصیب ہوئی اور فرعون گمراہی کے عالم میں غرق آب ہوا۔

اب اس چھوٹے سے بچے کو دودھ کون پلائے گا؟ اس کے لیے مختلف دائیوں کی خدمات حاصل کی گئیں، لیکن موسیٰ علیہ السلام نے کسی دائی کی چھاتی کی طرف دیکھنا گوارا نہ کیا، بالآخر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بہن، جو یہ سارا ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، کہنے لگی: مجھے ایک خاتون کا علم ہے، آپ اس سے رابطہ کریں، وہ بڑی خیرخواہ ہے، یہ بچہ اس کا دودھ پی لے گا۔ اس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کی آغوشِ محبت میں واپس آگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا۔

جن دو مقامات پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا ذکر آیا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر اپنے اسی احسان کا تذکرہ کیا ہے۔

قرآن مجید کا مقصود لوگوں کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے مثالی کردار سے روشناس کرانا اور اس قصے میں پنہاں اہم اسباق سے نصیحت دلانا ہے، اس لیے قرآن مجید نے انھی کا ذکر کیا ہے اور کہیں بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام نہیں بتایا۔ اس سے ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اس قصے میں پوشیدہ نصائح اور عبر کو تلاش کریں نہ کہ لایعنی امور کے پیچھے پڑ جائیں۔

افسوس کہ گنگا الٹی بہتی ہے کہ مصداق لوگ وہ کام نہیں کرتے جو مقصودِ قرآن ہے۔ اور ان کاموں کے کرنے میں بڑی کدوکاش کرتے ہیں جو سرے سے قرآن کا مطلوب نہیں ہیں۔ ام موسیٰ علیہ السلام کا نام نہ قرآن نے ذکر کیا ہے نہ اس کا تعلق قصے کے کسی اہم گوشے سے ہے کہ اس کے بغیر بات ادھوری رہ جانے کا اندیشہ ہو۔ پھر اس قصے کی تشریح و تفسیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ام موسیٰ کے نام کی صراحت نہیں کی۔ ان دو مصدقہ ذرائع کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور تیسرا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہمیں والدۂ موسیٰ علیہ السلام کا نامِ نامی معلوم ہوسکے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ سیدھی سی بات ہے کہ وہ مقصود نہ تھا، جو چیز مقصود اور ضروری تھی اس کا تذکرہ کردیا۔ اس کے باوجود بعض لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اصل قصے پر غور کرنے کی بجائے ام موسیٰ علیہ السلام کا نام معلوم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور پھر کسی ایک



نام کو متعین کر کے اس پر بغلیں بجاتے ہیں کہ ہم نے بڑی علمی خدمت سرانجام دی ہے اور جسے یہ نام معلوم نہ ہو، ایسا شخص ان کی ڈکشنری میں جاہل قرار پاتا ہے۔ اب کوئی ان علم دوستوں سے پوچھے کہ آپ نے یہ نام کہاں سے معلوم کرلیا ہے؟ جواب ہوگا: اہل کتاب سے۔ بھئی اہل کتاب نے تو کئی نام ذکر کیے ہیں، پھر آپ کو کیسے پتہ چلا کہ آپ کا متعین کردہ نام ہی درست ہے۔ اس پر وہ آئیں بائیں شائیں کرتے نظر آئیں گے۔ اہل کتاب نے ام موسیٰ کے یہ نام بتائے ہیں: یوخانذ، یحیب، یوخابذ، باختہ، لوحا۔ ان میں سے کوئی بھی نام قرآن وسنت اور کسی ثقہ ذریعے سے ثابت نہیں ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام کی طرح ان کی بہن کا نام بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔ بعض اہل علم نے ان کا نام مریم بتایا ہے، بعض نے کاتمہ اور کچھ نے کلثوم ذکر کیا ہے۔ ان اہل علم کا ماخذ بھی اسرائیلی روایات ہیں جن کی نہ ہم تکذیب کر سکتے ہیں نہ تصدیق۔ اختِ موسیٰ علیہ السلام کا نام کیا تھا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمارے پاس اس تک رسائی کا کوئی مضبوط ذریعہ نہیں ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے اس واقعے میں خواتین کی رہنمائی کے لیے مندرجہ ذیل امور بڑے اہم ہیں:

ایک یہ کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا کہ وہ انھیں صندوق میں ڈال کر دریا میں بہادیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ کسی مصیبت اور نقصان سے بچاؤ کے لیے اسباب ضرور اختیار کرنے چاہئیں۔ محض ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا عقل ودانش کی بات نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اسباب کو اختیار کرنا توکل الٰہی کے خلاف نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ والدہ موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ حکم ملا تو وہ خوفزدہ ہوئیں، گھبرا گئیں۔ یہ خوف طبعی اور فطری تھا۔ اس طرح کے معاملات میں گھبراہٹ کا شکار ہوجانا ایمان و یقین کے منافی نہیں ہے۔ لیکن اگر گھبراہٹ کی وجہ سے بے صبری کا مظاہرہ کیا جائے اور زبان سے ناشائستہ جملے ادا کیے جائیں تو اس سے ضرور اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتا ہے۔ خواتین میں یہ کمزوری عام پائی جاتی ہے کہ وہ گھبراہٹ کے عالم میں زبان کا غلط استعمال کرتی ہیں۔ اس سے احتیاط کرنی چاہیے۔

تیسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی گھبراہٹ دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے انھیں تسلی دی کہ وہ گھبرائیں مت، غمزدہ نہ ہوں۔ اس پر والدۂ موسیٰ تسلی میں آگئیں اور حکم الٰہی پر عمل کر دکھایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر سرِتسلیم خم کر دیتا ہے تو وہ کبھی اسے ضائع نہیں کرتا۔ بظاہر اللہ کا یہ حکم انسانی سمجھ سے بالا تھا کہ ایک شیر خوار بچے کو صندوق میں ڈال کر پانی کی موجوں کے سپرد کر دیا جائے۔ لیکن والدۂ موسیٰ علیہ السلام نے بلاچون و چرا اس پر عمل کیا جس کے بے پناہ فوائد انھیں حاصل ہوئے۔ اس لیے اپنی زندگی کا وتیرہ بنالیں کہ جب حکم الٰہی آجائے، خواہ وہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اس کے سامنے سر جھکا دیجیے، دنیا و آخرت کی سعادت آپ کے قدم چومے گی لیکن آپ تاویلات کا سہارا لے کر اس سے جان چھڑانے کی راہیں ڈھونڈیں گے تو مرنے تک کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکیں گے۔

چوتھے یہ کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی جدائی پر ان کی والدہ کا دل بے قرار ہوگیا۔ انھیں کوئی چیز اچھی نہ لگتی تھی۔ ہر دم ان کی آنکھوں میں اپنے لخت جگر موسیٰ کی تصویر گھومتی تھی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ دنیا میں ماں کی عاطفت ومحبت باقی تمام رشتوں اور محبتوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے والدہ کو والد کے مقابلے میں تین گنا زیادہ مقام دیا ہے۔ ماں کے اس اعزاز کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا دل دکھانے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔

پانچویں یہ کہ قصرِ فرعون میں جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ یہ کس کا بچہ ہے؟ ادھر والدۂ موسیٰ بڑی بے قرار تھیں، قریب تھا کہ اس بے قراری کے نتیجے میں رازِ الٰہی افشا کر دیتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا، ان کی ڈھارس بندھادی اور وہ اس راز کو افشا کرنے سے باز رہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت خوف اور ڈر کے مواقع پر دل کی اضطراری کیفیتوں کے وقت اس کے دل کو مضبوط اور ثابت قدم رکھنا ہے۔ اسی طرح کی ثابت قلبی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق خاص سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھی جب وہ غارِ ثور میں پناہ گزیں تھے۔ تعاقب کرنے والے ان کے سر پر کھڑے تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ظاہری صورت کے پیش نظر

گھبرا گئے تھے۔ مطلب یہ کہ جب بندہ اللہ کا ہوجاتا ہے تو پھر اللہ بندے کا ہوجاتا ہے۔ اور کسی صورت اسے ضائع نہیں ہونے دیتا۔ اس لیے خواتین کو اللہ پر اپنے ایمان اور یقین کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا چاہیے جیسا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا اللہ پر ایمان اور یقین انتہائی مضبوط تھا۔

چھٹے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ام موسیٰ علیہ السلام کے دل کو مضبوط کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا: ''تاکہ وہ ایمان والوں میں سے ہوجائے۔'' اس سے پتا چلتا ہے کہ جب کوئی شخص شدید خوف اور دل کی اضطراری حالت کے وقت ثابت قدمی اختیار کرتا ہے اور صبر جمیل سے کام لیتا ہے تو اس کے ایمان اور اجر وثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ نقصان اور خسارے سے دوچار ہونے کی بجائے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔

ساتویں یہ کہ خوف کے عالم میں صبر جمیل کا مظاہرہ کیا جائے تو بے پناہ فوائد وثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ زبان سے درست بات نکلتی ہے اور فکر وسوچ کا دھارا مثبت سمت چلتا ہے۔ ایک غیبی طاقت اس کی پشت پناہی کرنے لگتی ہے اور انسان کے وہم و گمان کے برعکس اس سے ایسا مثالی کردار تشکیل پاتا ہے جو لوگوں کے لیے مشعل راہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان پند ونصائح کو سمجھنے اور ان سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ بقیہ قرآنی ماؤں کا ذکر اگلے مضمون میں کریں گے۔ وما توفیقی إلا باللّٰہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب.



شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ

فقیر اللہ خاں

سرزمین عرب میں شہر مکہ کو ایک منفرد اور ممتاز مقام اس لیے حاصل ہے کہ یہاں پر اللہ کا گھر خانہ کعبہ موجود ہے۔ یہ وہی شہر ہے جہاں فاران کی پہاڑیوں سے آفتاب رسالت طلوع ہوا اور اسی آفتاب نے جزیرہ نمائے عرب کے دوسرے شہر مدینہ میں نصف النہار پر پہنچ کر چہار دانگ عالم کو منور کیا۔ شہر مدینہ کو یہ اعلیٰ مقام اور بلند مرتبہ اس لیے بھی حاصل ہے کہ اس کی آغوش میں امام الانبیاء آقائے دوجہاں آرام فرما رہے ہیں۔ اس شہر کے مقام کو مزید بلند کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزماں پر نازل ہونے والی کتاب مقدس کی اشاعت وطباعت کا اہم فریضہ بھی اسی شہر کے مکینوں کو تفویض فرمادیا۔ اس اہم فرض کی تکمیل کے لیے سعودی حکمرانوں کو جہاں ان دونوں مقدس شہروں کی خدمت کرتے ہوئے خادمین حرمین کے لقب سے سرفراز فرمایا وہاں انھی میں سے ایک 'خادم' شاہ فہد کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ وہ قرآن پاک کی اشاعت وطباعت کا اہم فریضہ بھی سرانجام دے اور آج شاہ فہد کی کوششوں ہی سے مدینہ میں قرآن پاک کی اشاعت وطباعت کا پوری دنیا میں سب سے بڑا ادارہ باحسن وخوبی قائم ہوچکا ہے۔

شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ سے شمال مغرب کی جانب دس کلومیٹر کے فاصلہ پر شارع تبوک پر واقع ہے۔ کھجوروں کے جھنڈ میں گھرا ہوا یہ کمپلیکس ایک چھوٹے سے شہر کی صورت میں آباد ہے۔ اس قرآن کمپلیکس کا سنگ بنیاد اس وقت کے سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ایک سرکاری فرمان کے ذریعے 16 محرم 1403ھ بمطابق 3 نومبر 1982ء کو رکھا اور اس کی تکمیل پر 6 صفر 1405ھ (30 اکتوبر 1984ء) کو اس کے افتتاح کی سعادت



بھی اللہ نے شاہ فہد ہی کو عطا فرمائی۔

شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس کا کل رقبہ اڑھائی لاکھ مربع میٹر ہے اور اس میں سالانہ ایک کروڑ قرآن پاک چھاپے جارہے ہیں۔ اگر تینوں شفٹوں میں کام جاری رکھا جائے تو اس جدید کمپلیکس میں قرآن پاک چھاپنے کی استعداد تین کروڑ سالانہ تک جاپہنچتی ہے۔ اس کمپلیکس میں 2000 ملازمین کام کررہے ہیں، جن میں جیّد علمائے دین، حفّاظِ کرام، مختلف زبانوں کے مترجم، یونیورسٹیوں کے پروفیسرز، سکالرز، پروف ریڈرز، انٹرنیٹ کے ماہر اور انجینئرز شامل ہیں۔ ان سب حضرات کی کاوشوں سے ہرطرح کی غلطیوں سے مُبرّا قرآن پاک کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا ہے جن پر سوفیصد مہرِ تصدیق ثبت کی جاسکتی ہے۔

یہ قرآن پرنٹنگ کمپلیکس براہِ راست سعودی حکومت کی وزارتِ اسلامی و مذہبی امور کی زیرِنگرانی کام کررہا ہے۔ اس قرآن کمپلیکس میں قرآن پاک کو دنیا کی 44 زبانوں کے ترجمے کے ساتھ چھاپا جارہا ہے، جن میں 23 ایشیائی، 10 یورپین اور گیارہ افریقی زبانیں ہیں۔ البانوی، بنگالی، برمی، انگریزی، فرنچ، یونانی، انڈونیشین، کشمیری، کورین، فارسی، صومالین، پینی، تامل، تھائی، ترکش اور اردو بھی ان زبانوں میں شامل ہیں۔ جلد ہی ترجمے کے ساتھ قرآن پاک چھاپے جانے والی زبانوں کی تعداد 60 تک ہوجائے گی۔ قرآن پاک کی اشاعت کے لیے نفیس کوالٹی کا کاغذ اٹلی سے بطورِ خاص منگوایا جاتا ہے۔ یہ اُسی کوالٹی کا کاغذ ہے جس پر بائبل بھی چھاپی جارہی ہے۔

اس کمپلیکس میں قرآن پاک کی اشاعت و طباعت کے علاوہ سیرۃُ النبی، احادیث، فقہ اور دیگر اسلامی کتب بھی چھاپی جارہی ہیں۔ دنیائے اسلام کے معروف قراء حضرات کی آوازوں میں قرآن پاک کی تلاوت والی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز پر ریکارڈنگ کرنے کا ایک جدید سٹوڈیو بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ نابیناؤں کے لیے بریل سسٹم پر قرآن پاک بھی تیار کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ اس قرآن کمپلیکس میں ہر وہ جدید سہولت مہیا کی گئی ہے جس کو بروئے کار لاکر قرآنِ کریم کو عام فہم زبان میں تراجم کے ساتھ دنیا کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچایا جاسکے۔

اس کمپلیکس کے درمیان ایک خوبصورت مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔ اڑھائی لاکھ مربع میٹر کے رقبہ پر وسیع عمارت میں پرنٹنگ پلانٹ کے علاوہ استقبالیہ، دفتر، ویئرہاؤس، کلینک، لائبریری اور ریستوران بھی بنائے گئے ہیں۔ اس عظیم الشان کمپلیکس کی تعمیر میں ایک بلین سعودی ریال (270 ملین ڈالر) خرچ ہوئے۔ اس کمپلیکس میں چھپنے والے قرآن کی خطاطی ایک مشہور ماہر خوش نویس عثمان طٰہٰ کی انگلیوں کا کمال ہے۔ عثمان طٰہٰ کا تعلق ملک شام کے شہر حلب سے ہے۔ انھوں نے دمشق یونیورسٹی سے علوم شرقیہ میں ڈگری حاصل کررکھی ہے۔ انھوں نے اپنی خطاطی سے پہلا قرآن پاک 1970ء میں تحریر کیا، جس کی عرب دنیا میں بہت پذیرائی ہوئی۔ 1988ء میں وہ سعودی عرب چلے آئے اور اپنی خدمات شاہ فہد قرآن کمپلیکس کو پیش کیں۔

اس کمپلیکس میں چھپے ہوئے قرآن پاک ہر سال لاکھوں کی تعداد میں تمام دنیا سے آئے ہوئے حاجیوں میں بطورِ تحفہ تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ہرسال کم وبیش تیس لاکھ حاجی حج کرنے آتے ہیں۔ اس کمپلیکس کے شائع شدہ قرآن پاک مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے علاوہ سعودی عرب کی دوسری مساجد میں بھی ہزاروں کی تعداد میں رکھے جاتے ہیں۔ یہی قرآن پاک تمام اسلامی ممالک کے سفارت خانوں اور یونیورسٹی کی لائبریریوں میں بطورِ تحفہ بھیجے جاتے ہیں۔ سعودی حکومت کے لیے یہ نہ صرف ایک اعزاز بلکہ قرآنِ پاک کا معجزہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں چھاپ کر یہ قرآن دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

قرآن پاک کی چھپائی میں اس کی کوالٹی، معیار، نفاست اور جلد بندی میں کسی قیمت پر سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ ترجمہ میں الفاظ کی صحت، درستگی اور گرائمر پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے، جس کے لیے سکالرز، پروفیسرز اور علماء پر مشتمل ایک خاص بورڈ تشکیل دیا گیا ہے۔ اس کمپلیکس میں طلباء اور سکالرز کے لیے ایک ریسرچ سنٹر کی سہولت بھی موجود ہے، جس میں بہت سی یونیورسٹیوں کے طلباء سکالرز اور پروفیسرز خاطر خواہ فائدہ اٹھارہے ہیں۔ غرضیکہ شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس ان کے لیے ایک اکیڈمی کا درجہ رکھتا ہے۔ المختصر! شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس ملتِ اسلامیہ کے لیے سعودی حکومت کا ایک گراں قدر تحفہ ہے۔

آؤ بڑو! پڑھو کہانی.....!



ابونخلہ فرات

بچے اتنے پڑھے لکھے اور سمجھدار نہیں ہوتے اس لیے انھیں کہانی سنائی جاتی ہے۔ سننے کے دوران بہت سے سوالات ان کے ذہن میں گردش کرتے ہیں اور اسی دوران ہی انھوں نے پوچھنے ہوتے ہیں۔ بچوں کو کہانی سننے کا شوق بھی بہت ہوتا ہے۔ ایک عنوان ''آؤ بچو سنو کہانی'' بچپن سے سنتے آرہے ہیں۔ اب بڑے ہوگئے۔ اب پڑھنا لکھنا اور سمجھنا آگیا اب ہم کہانی لکھتے، پڑھتے، بناتے یا پھر دیکھتے ہیں۔ آیئے! آج ایک کہانی پڑھتے ہیں۔ یہ کہانی آپ کے لیے اس لیے دلچسپ ہے کہ اس کا تعلق آپ سے ہے۔ جی آپ سے!! جی جی آپ سے!! آپ کہیں گے کہ کہانی میری ہے مگر آپ کو کیسے پتہ چلا؟ دراصل لوگوں کی تین قسمیں ہیں جو اپنی اپنی قسمت اور نصیب لے کر دنیا میں آتے ہیں اور کوچ کر جاتے ہیں۔ اس لیے تین مختلف قسم کے لوگوں میں سے آپ کا تعلق بھی کسی ایک قسم سے ضرور ہوگا۔ اس لیے یہ کہانی آپ کی بھی ہے۔ مگر انسان اپنی کہانی کی بجائے دوسروں کی کہانیوں میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ زندگی کی اس کہانی کا جائزہ لیتے رہیے اور جانیے آپ کا شمار کس قسم کے لوگوں سے ہے۔ تو ہم یہ کہانی شروع کرتے ہیں۔

آؤ! بڑو پڑھو کہانی
ایک تھا/ تھی ..... نامی

مگر یہ کہانی نظم نہیں نثر میں ہے۔ کہانی ضرور پڑھیے گا۔

دنیا میں آنے کا راستہ ایک ہے، یعنی ولادت۔ کوئی محلات میں جنم لیتا ہے اور کوئی جھونپڑی میں، دنیا میں آنے کے بعد کوئی ایک ہی کمرے میں بیڈ یا چارپائی پر یا گلی محلے میں کھیلتے کھیلتے جوان ہوتا ہے اور کوئی خوبصورت لانوں میں، کوئی بڑے قیمتی لباس پہنتا ہے اور کوئی لوگوں کے اترے ہوئے، کوئی بہت معیاری اور مہنگے سکولوں میں پڑھتا ہے اور کوئی عام سکولوں میں، کسی کے ہاں وسائل کی بہتات ہے تو کسی کے ہاں مسائل کی، کوئی عطیات دے کر زندگی گزارتا ہے تو کوئی لے کر۔ کوئی بڑی خوشحالی کی زندگی گزارتا ہے اور کوئی تنگدستی کی مگر دنیا میں آنے کی طرح دنیا سے جانے کا بھی ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے موت۔ موت کے طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، انداز جداگانہ ہوسکتے ہیں مگر موت تو سب کو آنی ہے۔ معیار مختلف ہیں مگر زندگی ایک سی۔ اور زندگی گزارنے والے تین قسم کے لوگ یہ ہیں:

(A) زندگی کے مقصد کو سامنے رکھ کر اللہ کی رضا تلاش کرتے رہنا۔

(B) کبھی مقصد زندگی کو سامنے رکھا اور کبھی پروانہ کی۔ کبھی رب تعالیٰ کو راضی کیا اور کبھی شیطان کو۔

(C) زندگی کا کوئی مقصد سامنے نہیں۔ ساری زندگی خواہشات کی غلامی میں گزاری۔ آخرت کی فکر نہ کیے پر ندامت۔

پہلی قسم کے سعادت مندوں کو مومن، محسن، متقی، مخلص، مقرب اور ابرار قسم کے ناموں سے قرآن نے یاد کیا۔ دوسری قسم کے لوگ منافق، شک میں مبتلا اور غافل شمار ہوتے ہیں اور تیسری قسم کے لوگ فاسق اور کافر شمار ہوتے ہیں۔

ایک مسلمان کو اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ اس کا شمار کس قسم کے لوگوں سے ہورہا ہے۔ اگر اس کا تعلق A گروپ سے ہے تو اسے شکر ادا کرنا چاہیے۔ A گروپ والوں کی زندگی کی کہانی کچھ اس انداز سے گزرتی ہے کہ وہ تہجد یا زیادہ سے زیادہ فجر کی نماز پر ضرور اٹھ جاتے ہیں۔ مسنون اعمال بجالاتے ہیں۔ باجماعت فجر کی نماز پڑھتے ہیں۔ قرآن مجید پڑھتے ہیں،



درس قرآن سنتے سناتے ہیں۔ موقع مل جائے تو اشراق بھی پڑھتے ہیں۔ مسجد جانے سے پہلے اپنی اہلیہ اور بچوں کو بھی جگاتے ہیں۔ گھر آنے پر بچے قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اہلیہ ناشتہ تیار کر رہی ہوتی ہیں اور بچے سکول یونیفارم پہنتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی ایسے سکول کا انتخاب کرتے ہیں جہاں قرآن کی تعلیم کا بھی اہتمام ہو۔ اور دین بیزار ماحول نہ ہو کیونکہ یہ بچوں کی تربیت کے حوالے سے انتہائی اہم دن ہوتے ہیں۔

A گروپ والے اپنی ملازمت یا کاروبار کرنے سے پہلے اس بات کا بھی جائزہ لیتے ہیں کہ وہ حرام یا شک وشبے والا تو نہیں۔ اور اپنے کاروبار اور ملازمت میں انتہائی امانت و دیانت کا معاملہ کرتے ہیں۔ لوگوں سے بڑے اچھے اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ ان کی طرف سے اپنا سینہ صاف رکھتے ہیں۔ ان کو اچھائی کی دعوت دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ لیکن اپنے کام میں کوئی کمی نہیں آنے دیتے۔ ظہر کا وقت ہوتا ہے۔ مسجد سے اذان کی آواز آتی ہے تو وہ فوراً نماز پڑھنے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں۔ اپنا کاروبار بند کرتے ہیں ملازم ہیں تو نماز کی اجازت لیتے ہیں۔ نظر کی حفاظت کرتے ہیں فکر کو محتاط رکھتے ہیں۔ کسی کی دل آزاری نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

یہ نہیں کہ ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی، کسی گناہ کا وہ ارتکاب نہیں کرتے۔ شیطان وسوسے ڈالتا ہے گناہ کے کام ہو جاتے ہیں مگر وہ برائی پر ڈٹے نہیں رہتے بلکہ برائی کے بعد توبہ کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں۔ کہیں برائی ہوتی دیکھیں تو اپنے ہاتھ یا زبان سے روکتے ہیں، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم دل سے برا جانتے ہیں۔ اسی طرح عصر اور مغرب کی نماز بھی جماعت کے ساتھ بروقت پڑھتے ہیں۔

گھر میں ان کی اہلیہ ان کے مال اور عزت و آبرو کی مکمل حفاظت کرتی ہے۔ اپنی اولاد پر کڑی نظر رکھتی ہے۔ ان کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتی ہے۔ اپنی اولاد میں کوئی چیز دیکھتی ہے تو اسے چھپانے کے بجائے اپنے خاوند سے شیئر کرتی ہے۔ اور وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ کر اس کا سدباب کرتے ہیں۔ اپنے گھر میں یا کسی کے گھر میں بچوں کے لیے دینی تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا خیال رکھتے ہیں۔ کسی کی غیبت چغلی وغیرہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ اسی طرح ہنستے کھیلتے، باتیں کرتے رات ہو جاتی ہے اور عشاء کی نماز باجماعت پڑھ کر جلدی سونے کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ صبح جلدی اٹھا جا سکے۔

سال بھر میں آنے والے مختلف دینی تہواروں کا حدود الٰہی میں رہ کر اہتمام کرتے ہیں۔ رمضان کے منتظر رہتے ہیں۔ اخراجات ہوں تو حج بھی کرتے ہیں۔ عمرے کی بھی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ خوشی اور غمی کو سنت کے مطابق گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاندان اور عزیز واقارب سے بنا کر رکھتے ہیں۔ کوئی مشکل گھڑی آئے تو صبر کرتے ہیں۔ حوصلے اور ہمت سے کام لیتے ہیں۔ اس طرح ان کی زندگی کے لمحات گزرتے رہتے ہیں اور ایک دن وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی زندگی کی کہانی جیسے قابل رشک ہے ان کی موت بھی قابل رشک ہوتی ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی میزبانی بھی قابل رشک ہوگی۔

دوسری قسم کے لوگوں کی زندگی کی کہانی کچھ اس طرح ہے۔ کوئی فائدہ پہنچا یا اللہ سے کوئی ''مطلب'' ہوا نمازیں شروع کر دیں۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں بہت سے لوگ اللہ سے بھی اپنا تعلق ''مطلب'' کی حد تک استوار رکھتے ہیں۔ اسی طرح کوئی مشکل یا آفت جیسے زلزلہ سیلاب وغیرہ آیا تو نیکی کی طرف رجحان بڑھ گیا۔ سال بعد روزے بھی رکھ لیے۔ دن میں ایک آدھی نماز بھی پڑھ لی۔ حلال وحرام کی تمیز بھی نہ کی۔ گھر میں فلمیں بھی چل رہی ہیں اور میوزک بھی۔ صرف دادا ابو باقاعدگی سے مسجد جاتے ہیں مگر بیٹوں اور پوتوں پوتیوں کا رخ کسی اور طرف ہی ہوتا ہے۔ کبھی کبھار دادی امی بھی کوئی اچھی بات کہہ دیتی ہیں۔ ایسے لوگ کسی کو نیکی کا حکم نہیں دیتے کیونکہ اس سے ان کی روشن خیالی پر حرف آتا ہے، برائی سے بھی نہیں روکتے کیونکہ قدامت پسندی کا ٹھپا لگتا ہے۔ ایمان کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں۔ جیسی مجلس اور جیسے لوگ ہوں ویسا ہی بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''راضی رہے رحمٰن بھی اور خوش رہے شیطان بھی'' والی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔

نماز بھی پوری طرح یاد نہیں، جنازہ تو آتا ہی نہیں۔ جمعے کی نماز میں اس وقت پہنچتے ہیں جب دوسرا عربی خطبہ شروع ہوتا ہے۔ دنیا جہان میں گھر والوں کو لے کر گھومتے ہیں مگر گھر کی خواتین

بقیہ صفحہ:73 پر



کثرتِ مطالعہ

عمرہ حماد

مطالعہ ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان میں علم کی تلاش وجستجو پیدا ہوتی ہے، لہٰذا مطالعہ ہی کے ذریعے ہم اپنی اندرونی صلاحیتوں اور علم وحکمت کے ان نوادرات کو اجاگر کر سکتے ہیں جن کو قدرت کے ہاتھوں نے ہمارے قلب و دماغ میں محفوظ کیا ہے۔ جس طرح ایک دریا اور سمندر میں غوطہ زن اس کی گہرائیوں میں پہنچ کر قیمتی اور نایاب گوہر حاصل کرتا ہے اسی طرح بحرِ علم وحکمت کا غوّاص بھی جب اس میں غوطہ زن ہوتا ہے تو یہ بھی بے شمار علمی نکات اور معلومات کو اپنے دامن میں بھر لیتا ہے۔

اور اسے ہی ''مطالعہ'' یا ''کتب بینی'' کہتے ہیں۔ ہمارے اسلاف اسی ذوقِ مطالعہ اور قوت مطالعہ سے آسمانِ علم تک پہنچے ہیں، چنانچہ بے شمار اہل علم حضرات کے نفوس اگرچہ ہمارے درمیان موجود نہیں مگر اُن کے علوم ہمارے درمیان موجود ہیں۔ کتابوں کا اس قدر بڑی تعداد میں موجود ہونا اس بات کی کھلی شہادت ہے۔ ہمارے اسلاف اور بحرِ علم کی تحقیق اور مطالعہ کا معیار اور اصول یہ تھا کہ جب تک سانس باقی ہے اس وقت تک علم کی تلاش اور جستجو سے اپنا دامن پیچھے نہ رہنے پائے۔ طُلّابِ علم کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ علمی مشاغل میں راحت و سرور محسوس کریں۔ مطالعہ تصنیف وتالیف کا فطری ذوق وشوق ہونا چاہیے۔ اور پھر اس ذوق وشوق میں نہ مخلوق سے صلہ کی پروا ہو اور نہ ہی ستائش کی تمنا ہو۔ بلکہ آخرت کے اجروثواب پر یقین ہونا چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کو درجات کے اعتبار سے بلندی عطا فرمائے گا جو ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا۔'' (المجادلة 11:58)

علمائے سلف کی زندگی ہماری نسلوں کے لیے بہترین نمونہ ہے اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لیے جاذبیت کا عنصر ہے۔ علم دماغ کے لیے ایسے ہی ضروری ہے جیسے جسم کے لیے غذا۔

علمائے سلف کا یہ قابل فخر اور ممتاز کارنامہ ہے کہ اُن کے علمی انہماک نے اس میدان کو اس قدر وسیع بنایا کہ بڑے بڑے کتب خانوں کی شکل میں دُنیا کے سامنے آئے۔ کتب تاریخ میں اِن حضرات کے کارناموں کو خاص اہمیت حاصل ہے جن کا دوسری قوموں نے بھی کھل کر اعتراف کیا ہے۔ اُن علمائے سلف میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے:

① حکیم جالینوس

حکیم جالینوس سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے ساتھیوں کی نسبت حکمت زیادہ حاصل کی، وہ کیسے؟ فرمایا: اس طرح کہ میں نے مطالعہ کے لیے ان کی نسبت چراغ پر زیادہ خرچ کیا ہے۔

② امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنا بیان ہے کہ جب میری عمر سولہ سال تھی تو میں نے ابن مبارک اور وکیع رحمہما اللہ کی کتابیں یاد کر لی تھیں۔ (طبقات الشافعیة: 158/2) ایک مقام پر فرماتے ہیں: ''حفظ کی دوا کثرت مطالعہ اور کتب بینی ہے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ کے احوال میں آیا ہے کہ محمد بن یوسف کہتے ہیں: ''میں ایک رات امام بخاری کے گھر پر ان کے ساتھ تھا۔ وہ احادیث پر تعلیقات کے لیے اٹھارہ مرتبہ بستر سے اُٹھے اور چراغ جلایا۔'' (تاریخ بغداد: 14/2)

③ امام زہری رحمہ اللہ

مطالعے کے وقت آپ کا یہ عالم ہوتا تھا کہ اِدھر اُدھر کتابیں ہوتیں اور اُن کے مطالعہ میں اس قدر مصروف رہتے کہ دُنیا وما فیہا کی خبر نہ رہتی۔ بیوی کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ اس کے سوا کسی اور



کی اس قدر گنجائش شوہر کے دل میں ہو، چنانچہ ایک دفعہ امام زہری کی بیوی نے بگڑ کر کہا: ''اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں۔'' (وفیات الأعیان: 178/4)

④ ابوالمنصور فارابی

آپ زمانہ طالب علمی میں اتنے تنگ دست تھے کہ چراغ کا تیل نہیں خرید سکتے تھے۔ رات کو پاسبانوں کی قندیلوں کی روشنی میں مطالعہ کرتے۔ اسی تنگ حالی میں ان حضرات نے وہ علمی ترقی کی جس سے ساری دُنیا کو فیض پہنچا۔ آج ہر طرح کی آسانیوں کے باوجود جو طلبہ کا حال ہے وہ ظاہر ہے۔ ان بزرگوں کے سامنے نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث شریف تھی: ''ناز و نعمت کی زندگی سے پرہیز کرو، اللہ کے بندے ایسی زندگی پسند نہیں کرتے۔'' السلسلة الصحيحة: 353)

⑤ عبداللہ بن عبدالعزیز

امام حسن بصری رحمہ اللہ مشہور و معروف محدث، فقیہ اور صوفی بزرگ ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے: خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پوتے عبداللہ ابن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سب سے ملنا موقوف کر دیا تھا اور قبرستان میں رہنے لگے تھے۔ ہمیشہ ہاتھ میں کتاب دیکھی جاتی تھی۔ ایک دفعہ اس بارے میں سوال کیا گیا تو کہنے لگے: ''میں نے قبر سے زیادہ واعظ، کتاب سے زیادہ رفیق اور تنہائی سے زیادہ بے ضرر ساتھی نہیں دیکھا۔''

(تاریخ دمشق: 220/31)

آخر میں ہم تمام طلباء و طالبات سے گزارش کرتے ہیں کہ علمائے سلف کے نقش قدم پر چلیں۔ نیت کو خالص رکھیں۔ علم میں اضافے کے لیے مطالعہ کو اپنا مشغلہ بنائیں۔ نیز خدائے واحد کے ارشاد: ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ ''میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔'' (طٰہٰ 114:20) کا کثرت سے ورد کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے علم حاصل کرنے کی راہیں آسان فرمائے۔ آمین

بقیہ: آؤ بڑو! پڑھو کہانی.....!

کو کبھی مسجد کا راستہ دکھایا ہی نہیں۔ ہر زبان آتی ہے مگر قرآن کی زبان سے، رسول ﷺ کی زبان سے واقف ہی نہیں۔ ایک بیٹا ڈاکٹر ہے وہ امریکہ ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ شخص یہ ارادہ بھی رکھتا ہے کہ میں مکمل نیک ہو جاؤں مگر شیطان بہکاوا دیتا رہتا ہے اور زندگی کی اسی ڈگر پر یہ چلتا رہتا ہے۔ پھر ایک دن اس کے پاس بھی موت کا فرشتہ آتا ہے پھر یہ کہہ اٹھتا ہے کہ ہائے افسوس! میں نے اللہ کے معاملے میں کس قدر کمی کی اور غفلت برتی۔ یہ ہے اس شخص کی کہانی جو زندگی تو بظاہر اچھے طریقے سے گزار لیتا ہے مگر آخرت کا معاملہ اس کے حق میں نہیں لگتا۔

تیسری قسم کے وہ بدنصیب لوگ ہیں۔ جن کی زندگی کی کہانی یہ ہے کہ انھیں محض یہی پتا ہے کہ وہ مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے کان میں اذان بھی دی گئی تھی۔ نام بھی مسلمانوں والا تھا مگر ان کی کتاب زندگی کے کسی صفحے پر اسلام کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ اپنی خواہشات پوری ہوتی رہیں۔ نہ کبھی مسجد کا منہ دیکھا، نہ کبھی قرآن پڑھا، علمائے دین سے نفرت دل میں رکھی۔ اسلام کے احکام کو تنقید کا نشانہ بنایا، اسلام پر چلنے والوں کی تحقیر کی۔ بے وضو جنازے پڑھے، سال بعد نماز عید پڑھی اور خطبہ سنے بغیر چل دیے۔ نہ زندگی کے مقصد کا پتہ نہ زندگی کے بعد آنے والی مشکلات کا کوئی احساس!! بس مال اکٹھا کیا اور اسے استعمال میں لائے۔

نہ دادا ابو کے اندر کوئی دین کی رمق ہے اور نہ بعد والی نسلوں میں ایسے آثار نظر آتے ہیں۔ نہ کوئی ذکر اذکار، نہ کلمۂ شہادت کا کوئی پاس!! نہ نماز نہ روزہ، نہ حج، نہ زکاۃ۔ ایسے شخص اور پکے کافر میں بس یہ فرق ہے کہ یہ مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوا اور کافر کافروں کے ہاں۔ زندگی کی پوری مہلت میں یہ اپنا تعلق ایمان اور اسلام سے ثابت نہیں کر سکا۔ ایک دن اس شخص کو بھی موت آلیتی ہے مگر ایسے شخص کے ساتھ آگے کیا ہوگا اللہ ہی بہتر جانتا ہے.....۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہم سب کو زندگی کے ایسے طرز عمل سے محفوظ فرمائے۔ آمین

یہ تین قسم کے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ اب آپ نے دیکھنا ہے کہ آپ کا تعلق کس قسم کے لوگوں سے ہے۔ مرنے کے بعد ایک نئی زندگی ملے گی اور اس زندگی کا اچھا یا برا ہونا موجودہ زندگی پر منحصر ہوگا۔ کیا آپ اپنی کہانی میں دلچسپی لینے کو تیار ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج آپ دوسروں کی فلمیں اور کہانیاں دیکھ کر محظوظ ہوتے رہیں اور کل آپ کی زندگی کی کہانی آپ کے لیے حسرت کا پیغام بن جائے!!

دارُالسّلام



حافظ محمد ندیم

ضیائے حدیث دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار ایک ذیلی ادارہ ہے۔36 لوئر مال، لاہور سے شائع ہونے والا یہ جریدہ الحمدللہ ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے گامزن ہے۔آپ اپنی عمدہ تجاویز سے نوازیے اور اس کی اشاعت وترویج میں بھرپور حصہ لیجیے۔

دارالسلام ریسرچ سکالرز لاہور کا مطالعاتی دورہ

مورخہ 26 اپریل بروز ہفتہ 2014ء کو دارالسلام ریسرچ سنٹر کے علماء ومحققین کی ٹیم نے دارالسلام لاہور کے جنرل منیجر محترم حافظ عبدالعظیم کی قیادت اور میزبانی میں شیخوپورہ اور وار برٹن میں دارالسلام ٹرسٹ کے تکمیل شدہ اور زیر تکمیل تعلیمی اداروں کا ایک مطالعاتی دورہ کیا۔لاہور سے نکلتے ہی مرکز بلال (دوسا کو چوک) میں مدیر جامعہ مولانا اجمل بھٹی صاحب اور انتظامیہ نے والہانہ استقبال کیا اور بھرپور ریفریشمنٹ کی۔ بعدازاں شیخوپورہ میں فیصل آباد روڈ پر دینی علوم کے مختلف شعبوں میں تخصص کی غرض سے زیر تعمیر منصوبہ ''دارالسلام سکالرز انسٹی ٹیوٹ'' کا دورہ کیا جہاں حافظ عبدالعظیم اسد صاحب نے اس منصوبے کے تعمیری مراحل اور تعلیمی نظام پر روشنی ڈالی۔ٹیم نے وار برٹن پہنچ کر دارالسلام ٹرسٹ کے مختلف تعلیمی وتعمیراتی اور مستقبل کے منصوبوں کا طائرانہ جائزہ لیا۔ان میں دارالسلام سے منسلک الرحمہ ٹرسٹ کے زیر انتظام 8 ایکڑ پر یتیم بچیوں کے لیے الرحمہ بورڈنگ سکول اور بچوں کی دینی ودنیاوی تعلیم وتربیت کے لیے الرحمہ انسٹی ٹیوٹ کے منصوبے شامل تھے۔ یہاں سے واپسی پر خدمت خلق کے منصوبے روشنی جنرل ہسپتال وار برٹن کا وزٹ کیا اور اس سے متصل الرحمہ انسٹی ٹیوٹ (کیمپس مولانا محمد سلیم کیلانی) میں کارواں کا استقبال کیا گیا۔ جہاں پر بچوں کو دینی ودنیاوی تعلیم وتربیت احسن انداز میں دی جارہی ہے۔الرحمہ انسٹی ٹیوٹ (کیمپس مولانا محمد سلیم کیلانی) وار برٹن میں علماء وطلبہ کے ساتھ ایک نشست ہوئی جس میں اس انسٹی ٹیوٹ پر بریفنگ دی گئی اور بعد میں سب پر تکلف دعوت سے محظوظ ہوئے۔ نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد کارواں چاندی کوٹ میں مولانا محمد ابراہیم کیلانی کی اقامت گاہ پر پہنچا جہاں انھوں نے تواضع کی۔ واپسی پر دارالسلام ٹرسٹ کے زیر انتظام جابر گائنی ہسپتال بھکھی کا بھی وزٹ کیا گیا۔اس طرح مختصر سے وقت میں ایک بھرپور دورے کے بعد یہ کارواں واپس لاہور پہنچا۔

دارالسلام کے وزیٹرز

✵ شیخ الحدیث مولانا عبداللہ امجد چھتوی، شیخ الحدیث مولانا مفتی حافظ عبدالستار حماد، شیخ الحدیث حافظ عبدالغفار اعوان، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس سلفی اور دیگر شیوخ الحدیث نے دارالسلام لاہور کا وزٹ کیا۔

نئی کتب

✵ سیرت انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر 7: یہ کتاب حال ہی میں بیروت سے پرنٹ ہوکر لاہور، پاکستان پہنچ چکی ہے۔4 کلر آرٹ پیپر قیمت صرف:1800

✵ شرح صحیح مسلم (5 جلدیں): یہ کتاب حال ہی میں بیروت سے طبع ہوکر لاہور، پاکستان پہنچ چکی ہے۔ قیمت صرف:-/3900

✵ رجال قرآن (7 حصے): یہ کتاب حال ہی میں بیروت سے طبع ہوکر لاہور، پاکستان پہنچ چکی ہے۔ قیمت صرف:-/4,715

✵ پیام سیرت: یہ کتاب حال ہی میں بیروت میں طباعت سے طبع ہوکر لاہور، پاکستان پہنچ چکی ہے۔ قیمت صرف:-/795

تشنگان علم کے لیے عظیم خوشخبری

مرکز الدعوۃ السلفیۃ ستیانہ بنگلہ فیصل آباد

میں سابقہ روایات کے مطابق امسال (2014) بھی

دورہ تفسیر القرآن اور دورہ صرف ونحو کا انعقاد کیا جارہا ہے۔

دورۃ التفسیر

استاذ الاساتذہ شیخ القرآن والحدیث

مولانا عبداللہ امجد چھتوی حفظہ اللہ

اور

استاذ الاساتذہ فضیلۃ الشیخ

مولانا ابونعمان بشیر احمد حفظہ اللہ

کرائیں گے۔(ان شاءاللہ)

جس میں جدید وضروری مسائل پر گفتگو، ادیان باطلہ، فتنہ انکار حدیث اور گمراہ فرقوں کا رد پیش کیا جائے گا۔

دورۃ الصرف والنحو

فضیلۃ الشیخ استاذ محترم

مولانا عبدالرشید ضیاء حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ استاذ محترم

مولانا محمد عمران دانش حفظہ اللہ

کرائیں گے۔(ان شاءاللہ)

دورہ صرف ونحو میں قواعد یاد کرانے کے ساتھ ساتھ صیغوں کا حل اور اجراء بھی کرایا جائے گا۔

دورہ جات 25 شعبان سے 27 رمضان تک جاری رہیں گے۔

دورہ کے اختتام پر طلباء کو قیمتی انعامات اور اسناد سے بھی نوازا جائے گا۔

الداعی الی الخیر: مولانا عتیق اللہ سلفی (ناظم المرکز)